کالا طوفان
اشتیاق احمد

محمود فاروق فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۳۹
کالا طوفان
اشتیاق احمد

بار اول : اگست ۱۹۸۱

مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز۔ لاہور

کتابت : اشفاق احمد

قیمت : 6/- روپے پچاس پیسے

مکتبہ اشتیاق راجپوت مارکیٹ اردو بازار۔ لاہور

دو باتیں

کالا طوفان پڑھتے وقت آپ کو قدم قدم پر طوفانی جھٹکے محسوس ہوں گے، ناول کے آخر تک یہ جھٹکے آپ کو لگتے ہی چلے جائیں گے اور آخر میں آپ کو یوں محسوس ہوگا جیسے آپ کے ذہن کا جوڑ جوڑ الگ ہوگیا ہو.... گھبرائیے نہیں، سچ مچ ایسا نہیں ہوا ہوگا، فوراً آپ سکون محسوس کرنے لگیں گے مسکرانے لگیں.... اور پھر کالا طوفان پر اپنی رائے لکھنے بیٹھ جائیں گے، اگرچہ میں پہلے ہی جانتا ہوں کہ اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہوگی، کچھ ناولوں کے بارے میں لکھنے والے کو پہلے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والے اس کے بارے میں کیا آرا لکھیں گے، اگرچہ آپ کے تمام خطوط میرے اندازے کے مطابق ہوں گے، لیکن پھر بھی.... آپ فکرمند نہ ہوں۔ میں انہیں پڑھے بغیر جواب نہیں لکھواؤں گا.... ہونے کو اس دنیا میں نہ جانے کیا کچھ ہوتا رہتا ہے، لہٰذا اگر کچھ پڑھنے والوں کو نہ بھی پسند آتا تو [illegible] بات نہیں ہوگی.... اب ناول شروع کیجیے اور خود کو حالات کے دھارے میں بہتا محسوس کیجیے اور گھر والوں کی جھڑکیوں کا سٹاک وصول کرنے کے لیے تیار ہو جائیے۔ شکریہ!

اشتیاق احمد

ترتیب

لفافے کی مصیبت

انسپکٹر جمشید اس بدحواس آدمی کو دیکھ کر چونک اٹھے۔ وہ بے دھڑک اندر گھس آیا تھا۔ چپڑاسی سے روکتا ہی رہ گیا اور اس کے پیچھے اندر داخل ہوا۔

"سر! یہ صاحب بغیر اجازت....."

"ٹھیک ہے، کوئی بات نہیں، تم جاؤ۔" انہوں نے چپراسی سے کہا۔ وہ باہر چلا گیا۔

اب انہوں نے اس آدمی کو غور سے دیکھا۔ اس کا سینہ لوہار کی دھونکنی کی طرح پھول اور پچک رہا تھا.... آنکھیں اوپر کو چڑھی ہوئی تھیں اور ہونٹوں پر خشکی دوڑ رہی تھی۔

"فرمایئے! آپ کو مجھ سے کیا کام ہے؟" جب وہ کئی سیکنڈ تک بھی کچھ نہ بولا تو انہوں نے کہا

"وہ..... وہ کالا....." اس نے ہکلا کر کہا، لیکن پھر بات پوری نہ کر سکا۔

"کالا..... کیا مطلب؟"

"لگ...... کالا طوفان میرا پیچھا کر رہا ہے۔" اس نے بمشکل کہا۔

"آپ کا مطلب ہے، باہر سیاہ رنگ کا طوفان آنے والا ہے، لیکن باہر تو دھوپ نکلی ہوئی ہے۔"

"کالا طوفان..... وہ خود کو کالا طوفان کہتا ہے، وہ موت کی طرح میرے تعاقب میں ہے، میں بڑی مشکل سے ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر یہاں تک پہنچا ہوں۔"

"اوہ! میں سمجھا تھا، آپ دوڑتے ہوئے آئے تھے!" انہوں نے اس کے ہانپنے کی طرف اشارہ کیا۔

"میرا یہ حال خوف سے ہے۔"

"وہ کون ہے اور آپ کا پیچھا کیوں کر رہا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"میں اپنی کہانی لکھ کر لایا ہوں، یہ لفافہ رکھ لیں، میں جانتا ہوں، میں اس کے ہاتھ سے بچ نہیں سکوں گا، بس میں تو آپ تک یہ لفافہ پہنچانے آیا ہوں..... اچھا خدا حافظ۔"

"ذرا ٹھہریے، اگر آپ کو اس سے اپنی جان کا خطرہ ہے تو پولیس آپ کی حفاظت کا انتظام کر سکتی ہے۔"

"نہیں! اس کی ضرورت نہیں..... وہ موت کا فرشتہ ہے، میں کب تک اس سے بچ سکوں گا، آخر وہ مجھ تک پہنچ ہی جائے گا، اس وقت اگر میں نکل گیا تو شاید بچ بھی سکوں، کیونکہ جہاز

کا وقت ہونے والا ہے اور میں نے ٹکٹ لے رکھا ہے، ملک سے باہر جا کر ہی میں اس سے محفوظ رہ سکوں گا، لہٰذا آپ مجھے نہ روکیے، میں یہ لفافہ آپ تک اس لیے پہنچانا چاہتا تھا کہ میرے دوسرے ملک چلے جانے کے بعد کوئی شخص تو ایسا ہو جو اس سے سمجھ سکے..... اور میں جانتا ہوں، آپ ایسا ضرور کریں گے، اگرچہ میرا آپ سے کوئی رشتہ نہیں، کوئی تعلق نہیں، لیکن پھر بھی مجھے یقین ہے، میری کہانی کو پڑھ کر آپ ضرور کالا طوفان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے..... اور اب مجھے چلنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ اسے میرے فرار ہونے کا پروگرام معلوم ہو جائے اور میں اس کی گولی کا نشانہ بن جاؤں۔"

یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا..... اس سے پہلے کہ انسپکٹر جمشید اس سے کچھ پوچھ سکتے، وہ باہر نکل چکا تھا۔ وہ چند لمحے تک اس لفافے کو گھورتے رہے، پھر کاغذ نکالنے کے لیے لفافہ چاک کیا ہی تھا کہ باہر گولی چلنے کی آواز آئی، وہ چونک اٹھے اور ایک خیال آتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ بے خیالی میں لفافہ ان کے ہاتھ میں ہی رہ گیا۔ دوڑ کر محکمے کی عمارت سے باہر آئے اور پھر دھک سے رہ گئے، وہی آدمی خون میں لت پت سڑک پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ اس کے گرد بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا، لیکن کوئی

شخص یا کوئی گاڑی بھاگتی نظر نہ آئی۔ مایوس ہو کر وہ لاش کی طرف بڑھے، اتنی دیر میں ٹریفک پولیس کے دو کانسٹیبل موقعے پر پہنچ چکے تھے، وہ بھیڑ کو پیچھے ہٹانے لگے۔ انسپکٹر جمشید کو لاش کی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ چونکے:

"فائر کس طرف سے کیا گیا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"ہم..... نہیں دیکھ سکے۔ جناب اور نہ کوئی اندازہ لگا سکے۔"

"ارے شیر خان..... میرے دوست..... یہ تمہیں کیا ہو گیا۔" ایک شخص بلند آواز میں کہتا ہوا آگے بڑھا، لوگوں نے فوراً اسے راستہ دے دیا..... وہ اندھا دھند آگے بڑھا اور انسپکٹر جمشید سے ٹکرایا۔ وہ اسے سنبھالنے کی کوشش میں خود بھی گرتے گرتے بچے، ساتھ ہی اس آدمی نے کہا:

ارے لاحول ولا قوۃ..... یہ شیر خان تو نہیں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ واپس پلٹا اور سب کو حیرت زدہ سا چھوڑ کر بھیڑ میں سے نکل گیا۔ فوراً انسپکٹر جمشید زور سے اچھلے اور چلائے:

"اے! خبردار..... رک جاؤ، ورنہ گولی مار دوں گا۔" یہ کہتے ہوئے وہ اس کے پیچھے دوڑ پڑے، لیکن اتنی دیر میں وہ نزدیک ہی کھڑی ایک سرخ رنگ کی کار میں بیٹھ چکا تھا، کار پہلے ہی سٹارٹ تھی، آن کی آن میں روانہ ہو گئی۔ انسپکٹر جمشید اس کی سمت کا اندازہ کرنے کے فوراً بعد اپنی جیپ کی طرف بھاگے۔ چھلانگ مار کر

جیپ میں بیٹھے اور چلا کر چوکیدار سے بولے:

اکرام سے کہو میرے پیچھے آئے اور چند دوسری گاڑیوں کو بھی پیچھے آنے کا حکم دے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ان کی جیپ آندھی اور طوفان کی طرح نکل گئی..... اتنی دیر میں سرخ کار ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ انہوں نے ہمت نہ ہاری اور رفتار بڑھاتے چلے گئے۔ تقریباً دس منٹ چلتے رہنے کے بعد ایک جگہ انہیں سرخ کار کھڑی دکھائی دی۔ یہ دیکھ کر وہ چونکے کہ کار نیشنل پارک کے باہر کھڑی تھی۔ انہوں نے اس کے عین پیچھے پہنچ کر جیپ روک لی۔ اتر کر دیکھا تو کار خالی تھی۔ اس شخص کا چہرہ اب تک ان کی آنکھوں کے سامنے گردش کر رہا تھا جو یہ کہتا ہوا بھیڑ میں گھسا تھا، ارے شیر خان، میرے دوست تمہیں کیا ہو گیا ہے، وہ لمبے چوڑے قد کا مالک تھا، چہرے پر چھوٹی چھوٹی ڈاڑھی تھی۔ سیاہ رنگ کے کوٹ میں تھا۔ اس کا چہرہ بھی لمبوترا تھا۔ اس کے ساتھی کے بارے میں انہیں کچھ معلوم نہیں تھا..... وہ کار میں ہی بیٹھا رہا تھا۔ انہوں نے چند لمحے کے لیے سوچا اور پھر نیشنل پارک کے دروازے کی طرف بڑھے:

○

"یار محمود! یہ دنیا بھی عجیب جگہ ہے۔" فاروق بولا۔

"تو میں کب کہتا ہوں ، عجیب جگہ ہے ۔"

"ہائیں ہائیں ! یہ تم بول رہے ہو ، یا تمہارے منہ میں میری زبان فٹ ہو گئی ہے غلطی سے ۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"کیوں ! کیا تم نے زبان کا آپریشن کرایا ہے ۔"

"میرے پیچھے پڑنے کی کوشش نہ کرو ، کیونکہ میرے پیچھے پڑنے کا انجام بہت خوفناک ہوا کرتا ہے ، اس بات کو تم بھی جانتے ہو اور فرزانہ بھی ۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"اچھا ! نہیں پڑتا تمہارے پیچھے ، چلو بتاؤ ، دنیا عجیب جگہ کس طرح ہے ۔"

"دیکھو نا ، ہر آدمی یہ بات جانتا ہے کہ ایک دن اسے مرجانا ہے ، پھر وہ کیوں برائیوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہے ۔"

"یہ برائیوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑنا خوب ہے ، تمہیں اردو بولنا آ گئی ہے ۔" محمود نے شریر لہجے میں کہا۔

"تو آتی کب نہیں تھی ۔" اس نے منہ بنایا۔

"اب تم سے کون مغز مارے ، خود ہی ایک بات شروع کرتے ہو اور پھر بحث کرنے لگ جاتے ہو ، اس سے تو بہتر ہے ، ہم دونوں آپس میں بالکل بات نہ کریں۔ کم از کم اس طرح سکول کا کام تو جلد ختم ہو جائے گا ۔" محمود نے تلملا کر کہا۔

"تو نہ بات کرو ، کوئی تمہاری منتیں کر رہا ہوں میں ۔" فاروق جھلا کر بولا۔

"توبہ ہے تم سے ، کسی طرح چین نہیں لینے دیتے ۔" محمود نے سر جھٹک کر کہا اور سکول کے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دونوں نیشنل پارک میں موجود تھے اور سکول کا کام کر رہے تھے ، یہ ان کی عادت تھی کہ کام کے دوران بھی نوک جھونک جاری رکھتے تھے ۔ لیکن ابھی چند سیکنڈ بھی خاموشی کے عالم میں نہ گزرے ہوں گے کہ فاروق کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا:

"ارے یہ کیا ؟"

"میں تم سے ہرگز یہ نہیں پوچھوں گا کہ کیا بات ہے ، میں جانتا ہوں ، اب تم مجھ سے بات کرنے کے لیے کوئی بہانہ ڈھونڈو گے ۔"

"یہ بات نہیں ہے ، پارک کے دروازے میں سے ابھی ابھی دو آدمی داخل ہوئے ہیں ، بظاہر وہ پرسکون ہیں ، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے .... وہ بہت جلدی میں دکھائی دے رہے ہیں ۔ چہرے پر گھبراہٹ کے آثار بھی ہیں ۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک لفافہ ہے ، اس نے لفافے کو اتنی مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے جیسے اسے ڈر ہو کہ لفافے کے پر نکل آئیں گے اور وہ پھر سے اڑ جائے گا ۔"

"ہو گا ، ہمیں کیا ۔" محمود نے نظر بدستور کاپی پر لکھتے ہوئے کہا۔

"کیا تمہاری جاسوسی کی رگ اس وقت سو گئی ہے، یا سن ہو گئی ہے، یا پھر ایسا تو نہیں کہ تم نے اسے فرزانہ کو ادھار دے دیا ہو۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"میرا ابھی کافی کام باقی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ کام مکمل کیے بغیر گھر جاؤں۔"

"ٹھیک ہے، تم کام مکمل کرو، میں تو چلا ان سے لفافہ چھیننے۔" فاروق نے اٹھتے ہوئے کہا۔ وہ حد درجے سنجیدہ لگ رہا تھا۔ محمود نے حیران ہو کر اسے دیکھا اور پھر بوکھلا کر کہا:

"ارے ارے.... تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔"

"تو پھر تم یہ بتاؤ، میں کیا کروں، وہ لفافہ مجھے پکار پکار کر بلا رہا ہے.... یوں لگتا ہے جیسے وہ کہہ رہا ہو، مدد.... مدد..... مدد....."

"دھت تیرے کی.... اب لفافے بھی بولنے لگے۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا اور پھر ان دونوں کو ایک نظر دیکھا۔ اسے ان میں کوئی عجیب بات نظر آئی.... قلم اس نے ہاتھ سے رکھ دیا، پھر وہ سرسراتی آواز میں بولا:

"یار فاروق کہتے تو تم ٹھیک ہو، چلو جاؤ، میری طرف سے اجازت ہے، اڑا لو اس لفافے کو.... یہ لوگ مجھے جرائم پیشہ جان پڑتے ہیں۔"

"لیکن میں اڑا کر واپس ادھر نہیں آؤں گا۔"

"نہیں! ہم دونوں ساتھ ہی گھر چلیں گے، میں تمہارا بستہ اور اپنا بستہ لے کر پہلے ہی دروازے کی طرف چل پڑتا ہوں، جونہی تم مجھ سے آ ملو گے، بھاگنا شروع کر دوں گا، پھر ہمیں کرنا صرف یہ ہو گا کہ.... دوڑتے ہوئے موٹر سائیکلوں تک پہنچ جائیں اور پھر ان پر سوار ہو کر گھر پہنچ جائیں۔"

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے یہ لوگ موم کے بنے ہوئے ہوں، ظاہر ہے یہ لوگ بھی ہمارا تعاقب کریں گے۔" فاروق نے کہا۔

"تو کیا ہوا، کرنے دو۔" محمود لاپروائی سے بولا۔

"بہت بہتر! تو پھر میں چلا لفافہ اڑانے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ محمود جلدی جلدی دونوں بستے سمیٹنے لگا، ایک بار اسے یہ خیال بھی آیا کہ آج وہ کیا بے وقوفی کرنے لگے ہیں، بھلا اتنی سی بات پر کسی کے ہاتھ سے لفافہ چھین لینا کہاں کی عقل مندی ہے، لیکن پھر وہ فاروق کو منع کرتے کرتے رک گیا، نہ جانے اس کا دل بھی اس لفافے کو اڑا لینے کے لیے کیوں چاہنے لگا۔ اس نے دونوں بستے اٹھائے اور دروازے کی طرف چل پڑا، جونہی وہ دروازے کے نزدیک پہنچ کر فاروق کی طرف مڑا، اس نے اسے جھپٹا مارتے دیکھا

پھر وہ تیر کی طرح اس کی طرف آیا، اس نے بھی دوڑ لگا دی اور موٹر سائیکلوں کی طرف بھاگا۔

"اے .... یہ کیا .... پکڑو .... ان چوروں کو پکڑو" وہ دونوں چلاتے ہوئے ان کی پیچھے بھاگے۔ محمود اور فاروق یہ دیکھ کر بوکھلا گئے کہ ان کی دوڑنے کی رفتار حیرت انگیز تھی، پل بھر میں وہ ان کے نزدیک پہنچ گئے اور قریب تھا کہ انہیں پکڑ لیتے، انھوں نے لمبی لمبی چھلانگیں لگائیں اور موٹر سائیکلوں تک پہنچ گئے، لیکن اسی وقت وہ بھی ان کے قریب آ دھمکے۔ چاروں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے ہو گئے اور گھورنے کا مقابلہ شروع ہوا۔

"یہ لفافہ ادھر دو۔"

"کیوں، اِدھر کیوں دیں، اُدھر کیوں نہ دیں" فاروق نے لفافہ دور اچھالتے ہوئے کہا۔ جس طرف اس نے اچھالا، ہوا کا رُخ اسی طرف تھا، چنانچہ وہ کافی دور جا کر گرا۔ یہ دیکھ کر وہ دونوں اس طرف بھاگے۔ ان کے وہاں سے ہٹتے ہی فاروق نے کہا:

"آؤ جلدی کرو، کہیں یہ پھر ہم تک نہ آ جائیں" یہ کہتے ہوئے اس نے موٹر سائیکل سٹارٹ کر دی اور جلدی سے اس پر بیٹھ گیا۔

"کیوں .... اب وہ ہماری طرف آ کر کیا کریں گے، ان کا

لفافہ تو تم نے اچھال ہی دیا ہے، میں کہتا ہوں، اگر لفافہ اڑایا تھا تو اتنی آسانی سے ان کے حوالے کیوں کر دیا" محمود نے جل بھن کر کہا۔

"غلط کہتے ہو، میں نے ان کے حوالے نہیں، ہوا کے حوالے کیا تھا۔ اب یہ ہوا کی شرارت ہے کہ اس نے نزدیک ہی لفافہ ٹرک کے حوالے کر دیا.... دیکھو، وہ ابھی تک دوڑے جا رہے ہیں اور اس پر بھی تم کہتے ہو کہ میں نے لفافہ آسانی سے ان کے حوالے کر دیا، حد ہو گئی" اس نے کہا اور موٹر سائیکل سٹارٹ کر دی۔ محمود نے بھی دانت پیستے ہوئے اس کا ساتھ دیا۔

"آخر اب اتنی جلدی کرنے کی کیا ضرورت ہے..... وہ ہمیں پولیس کے حوالے تو کر نہیں دیں گے" محمود نے اس کے نزدیک ہوتے ہوئے کہا۔

"ذرا پیچھے دیکھو، وہ ایک ٹیکسی میں ہمارا تعاقب کر رہے ہیں .... ویسے اگر یہ ٹیکسی کی بجائے اپنے پیروں سے بھی ہمارا تعاقب کر لیتے تو ہمیں ضرور پکڑ سکتے تھے، ہم نے اتنے تیز دوڑنے والے آدمی آج تک نہیں دیکھے، کم بخت پلک جھپکتے میں ہم تک پہنچ گئے تھے" فاروق نے کہا۔ محمود نے آئینے میں دیکھا، واقعی ایک ٹیکسی آندھی اور طوفان کی

طرح ان کی طرف آ رہی تھی۔

"یار یہ کیا مصیبت مول لے بیٹھے"

"لفافے کی مصیبت کہہ سکتے ہو تم اسے" فاروق نے کہا۔

دونوں برابر رفتار بڑھائے چلے جا رہے تھے، لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی محسوس کر رہے تھے کہ ٹیکسی ڈرائیور بھی ڈرائیونگ میں حد درجے ماہر تھا، سائے کی طرح ان کے تعاقب میں چلا آ رہا تھا اور ان کی کوشش کے باوجود درمیانی فاصلہ بڑھ نہیں رہا تھا۔

"لفافہ تو ان لوگوں کو مل گیا، آخر اب یہ ہمارا تعاقب کیوں کر رہے ہیں" محمود نے الجھ کر کہا۔

"ہمیں سزا دینے کے لیے، تاکہ ہم پھر کبھی کسی کا لفافہ نہ چرائیں" فاروق منمنایا۔

"دھت تیرے کی" محمود نے ہینڈل پر سے دایاں ہاتھ اٹھا کر ران پر مارا، لیکن چونکہ رفتار بہت تیز تھی، اس لیے سائیکل ڈگمگا گئی، اس نے فوراً ہاتھ ہینڈل پر جما دیا۔

"ایسے موقعوں پہ ران پر ہاتھ مارنا ادھار کر لیا کرو.... صرف دھت تیرے کی کہہ لیا کرو" فاروق نے گویا نصیحت کی۔

"بہت چہک رہے ہو، خیر تو ہے"

"سنو.... سیدھے بائیں باغ میں چلنا، درختوں کی اوٹ میں

رہ کر ہم ان لوگوں کا زیادہ اچھی طرح مقابلہ کر سکیں گے"

"ہم کیوں نہ رک کر ان سے پوچھ لیں کہ یہ ہمارا تعاقب کیوں کر رہے ہیں"

"وہ ہمیں بتا دیں گے کہ تعاقب کیوں کر رہے ہیں" فاروق نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب!" محمود چونکا۔

"بس ہم اب پہنچ ہی گئے ہیں، اب مطلب کیا بتاؤں" یہ کہتے ہوئے اس نے گاڑی گلی میں موڑ دی۔ محمود نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ فوراً ہی انہوں نے ٹیکسی کو مڑتے دیکھا۔ گھر کے سامنے پہنچتے ہی انہوں نے سائیکلیں روکیں اور ان پر سے چھلانگ مار کر بائیں باغ میں گھس گئے۔ دونوں فوراً ایک گھنے درخت کے پیچھے چھپ گئے۔ فاروق نیچے بیٹھ گیا اور بولا:

"یار محمود! ذرا اپنی ایڑی میں سے چاقو تو نکال دو"

"کیوں! کیا ارادہ ہے" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"فکر نہ کرو، میں اس چاقو سے کسی کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچاؤں گا" محمود جھکا اور ایڑی کھسکا کر چاقو نکال دیا۔ اسی وقت انہوں نے باغ کے باہر ٹیکسی رکنے کی آواز سنی۔ فاروق جلدی جلدی چاقو کی مدد سے زمین کھودنے لگا۔

"یہ کیا کر رہے ہو" محمود نے سرگوشی کی۔

"یہ لفافہ بو رہا ہوں، بہت جلد یہاں سے لفافوں کا پودا پھوٹے گا اور پھر اس پہ لفافے لگا کریں گے۔" ہم مزے لے لے کر لفافہ توڑا کریں گے اور پھر....."

"وہ باغ میں گھسے ہیں۔" انہوں نے کسی کو کہتے سنا، دونوں نے ہونٹ مضبوطی سے بند کر لیے۔

سومی کا حملہ

فرزانہ اپنی بلی سومی کے ساتھ بائیں باغ والے کمرے میں تھی۔ وہ اس سے کہہ رہی تھی:

"دیکھو سومی! میں تمہیں پوری طرح ٹریننگ دے چکی ہوں، تم یہ بات سمجھ چکی ہو کہ کھڑکی کی طرف سے کوئی حملہ آور آ جائے تو اس پہ کس انداز سے جھپٹنا ہے، کس رخ سے حملہ آور ہونا ہے اور اسے کس طرح مزا چکھانا ہے، تم ہماری بلی ہو، اس لیے تمہیں کتوں سے زیادہ تیز طرار اور طاقت ور ہونا چاہیے، تم تو یوں بھی شیر کی خالہ ہو، تم میں تو شیر کی عادتیں زیادہ ہونی چاہییں، جب کہ کتے کا شیر سے دور کا بھی واسطہ نہیں، وہ تو گیدڑوں کی نسل سے ملتے جلتے ہیں..... ابا جان یوں بھی کتوں کو پالنے کی اجازت نہیں دیتے، ان کا کہنا ہے کہ جس گھر میں کتا ہو، اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے..... اور یہ ان کا کہنا نہیں، یہ تو ہمارے آنحضورؐ نے فرمایا ہے، لیکن تمہاری موجودگی میں فرشتے بغیر کسی روک ٹوک کے آ سکتے ہیں..... یہ کتنی اچھی بات ہے.....

ہاں تو سومی ..... تم سمجھ گئی ہونا" یہ کہہ کر وہ اس انداز سے رکی جیسے بلّی اسے جواب ہی تو دے دے گی، سومی اس کی طرف ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی، اب وہ فرزانہ کے اشاروں کو پوری طرح سمجھنے لگی تھی۔

اچانک فرزانہ کے کانوں میں موٹر سائیکلیں رکنے کی آواز آئی:

"لو، محمود اور فاروق آ گئے، کان کھڑے کرنے کی ضرورت نہیں" فرزانہ نے اسے ڈانٹ پلائی۔ چند سیکنڈ گزر گئے، پھر فرزانہ چونک اٹھی:

"ارے! انہوں نے دروازے کی گھنٹی کیوں نہیں بجائی"

اسی وقت اس نے ایک ٹیکسی کے رکنے کی آواز سنی۔

ساتھ ہی کسی نے کہا:

"وہ باغ میں گئے ہیں" فرزانہ کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔

"ہوشیار سومی ..... تیار ہو جاؤ" ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے منہ سے ایک عجیب سی سیٹی کی آواز نکالی۔ سومی کے جسم کے بال ایک دم کھڑے ہو گئے۔ وہ کھڑکی کی طرف گھورنے لگی، پھر دبے پاؤں کھڑکی کی طرف بڑھی۔ عین اسی وقت ایک شخص کے دو ہاتھ کھڑکی کی چوکھٹ پر نظر آئے۔ فرزانہ پوری طرح تیار ہو گئی، ادھر بلی پنجوں کے بل اچھلنے کے لیے تیار ہو گئی، جونہی وہ شخص اچھل کر اندر آیا، بلّی نے اس کے منہ پر جھپٹا مارا، ساتھ ہی وہ

انتہائی تیز آواز میں غرّائی۔

"شانکے ..... جلدی اندر آؤ" اس نے دونوں ہاتھوں سے سومی کو چہرے سے جھٹکتے ہوئے کہا، لیکن اتنی دیر میں ہی سومی اس کے چہرے پر نقش و نگار بنا چکی تھی، دھکا لگنے سے وہ فرش پر گری، لیکن پھر پنجوں کے بل اچھلی۔ اتنے میں شانکا اندر کود آیا۔ اس نے اچھلتی ہوئی بلّی کے سر پر ہاتھ مارا، بلی فرش پر گری اور بے سدھ ہو گئی۔ فرزانہ نے فکر مند انداز میں اس کی طرف دیکھا اور بڑبڑائی:

"اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے سومی، میں نے ابھی تمہیں صرف ایک دشمن سے مقابلے کی ٹریننگ دی تھی"

"کہاں ہیں وہ دونوں"

"یہاں میرے اور بلّی کے علاوہ کوئی نہیں ہے" فرزانہ بولی۔

"دو لڑکے، وہ ہمارا لفافہ لے کر بھاگے تھے اور اس گھر کے سامنے رکے ہیں" شانکے کے ساتھی نے کہا۔

"دیکھ لو، اچھی طرح، اس کمرے میں میرے اور بلّی کے علاوہ کوئی نہیں ہے، ویسے اس لفافے میں کیا تھا، تم ایک لفافے کے لیے اتنے پریشان کیوں ہو، کیا اس میں کسی خزانے کا راز تھا"

"تم نے انہیں ضرور اس کمرے سے دوسرے میں نکال دیا ہے"

"چل کر پورا مکان دیکھ لو ، بھلا مجھے کیا ضرورت تھی ، انہیں دوسرے کمرے میں نکالنے کی۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"ٹھیک ہے ، ہم تلاشی لیں گے ، گھر میں اور کون کون ہے۔"

"اس وقت صرف میری امی موجود ہیں ، چائے بنا رہی ہوں گی ، چائے پئیں گے آپ لوگ۔"

"نہیں ، چلو ہمیں مکان دکھاؤ۔"

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے ہم یہ مکان کرائے پر دینا چاہتے ہوں۔" فرزانہ نے برا مان کر کہا۔

"چلو چلو.... باتیں نہ بناؤ۔"

"بہت اچھا ، لیکن ، یہ معاملہ کیا ہے۔ اس لفافے میں آخر کیا چیز تھی اور وہ کون تھے جو لفافہ لے اڑے۔"

"تم ہمارا وقت ضائع نہ کرو اور چل کر مکان کا ایک ایک حصہ دکھا دو ، تاکہ ہمیں یہ معلوم ہو جائے ، وہ دونوں کہاں چھپے ہیں۔"

"اچھی بات ہے ، آؤ۔"

وہ انہیں لے کے صحن میں آئی ، پہلے اپنے ابا جان کا کمرہ دکھایا ، پھر ڈرائنگ روم اور دوسرے کمرے ، آخر میں باورچی خانے تک بھی لائی۔

"امی جان یہاں دو ایسے لڑکے تو نہیں چھپے ہوئے جن کے

پاس ایک لفافہ بھی ہو۔"

"کیا مطلب۔" بیگم جمشید نے چونک کر کہا ، پھر ان دونوں پر نظر پڑتے ہی بولیں: "ارے ! یہ کون ہیں۔"

"ان کا ایک لفافہ گم ہو گیا ہے.... دو لڑکوں نے ان سے وہ لفافہ چھینا ہے ، لڑکے اس طرف آئے تھے ، ان کا خیال ہے کہ وہ ہمارے مکان میں گھسے ہیں ، میں انہیں مکان دکھاتی پھر رہی ہوں۔"

"نہیں بیٹی ! یہاں تو کوئی نہیں ہے...... اندر آ کر دیکھ لو۔"

انہوں نے باورچی خانے میں بھی اچھی طرح دیکھ لیا اور پھر مایوس ہو کر باہر نکل آئے۔

"ابھی چھت رہتی ہے ، چاہو تو وہ بھی دیکھ لو۔"

"ہاں ! چھت بھی دکھا دو۔"

چھت دیکھ کر وہ بالکل ہی ناامید ہو گئے۔ فرزانہ مسکرا کر بولی۔

"اب آؤ ! میں تمہیں دروازے تک چھوڑ آؤں ، اگر میرے ابا جان آ گئے تو مشکل ہو جائے گی ، وہ اجنبیوں کا گھر میں داخلہ پسند نہیں کرتے ، یوں بھی وہ ذرا جنگجو قسم کے واقع ہوئے ہیں ، کہیں تمہاری پٹائی نہ کر دیں۔"

"کوئی فکر نہ کرو اور دروازے کا راستہ دکھاؤ۔"

"راستہ دکھانا بہت نیکی کا کام ہے اور یہ کام میں ضرور کروں گی۔"

وہ انہیں دروازے تک لے آئی اور ان کے نکلنے کے بعد دروازہ بند کر لیا۔ دونوں نے مڑ کر دروازے پر لگی نام کی پلیٹ پڑھی اور پھر چونک اٹھے۔

○

انسپکٹر جمشید نے پارک میں داخل ہو کر چاروں طرف دیکھا، لیکن وہ شخص انہیں کہیں بھی نظر نہ آیا، محمود اور فاروق بھی اپنی مخصوص جگہوں پر موجود نہیں تھے، جب کہ ان دنوں خوشگوار موسم کی وجہ سے وہ باقاعدگی سے نیشنل پارک آ رہے تھے۔ ابھی ان کے واپس جانے کا بھی وقت نہیں ہوا تھا، لیکن یہ کوئی خاص بات نہیں تھی، کام ختم ہونے کی صورت میں وہ وقت سے پہلے بھی جا سکتے تھے۔ آخر وہ باہر آئے، سرخ کار نظر میں رکھتے ہوئے ایک پبلک فون کی طرف بڑھے ہی تھے کہ اکرام اور اس کی جیپ کے پیچھے دو اور جیپیں وہاں پہنچ گئیں۔

"یہ ان کی کار ہے.... جنہوں نے اس شخص کو قتل کیا ہے..... اور میرے ہاتھ سے اس شخص کا دیا ہوا لفافہ چھینا ہے.... لیکن وہ خود غائب ہیں۔" انہوں نے ان کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"آپ ان کا حلیہ بتا دیں، ابھی تلاش شروع کروا دیتے ہیں۔"

"میں نے ان میں سے صرف ایک کو دیکھا تھا، وہ لمبے قد کا تھا۔ چہرہ لمبوترا تھا، اس سے زیادہ تو میں بھی نہیں دیکھ سکا۔" انہوں نے کہا۔

"خیر، یہ بھی کافی ہے، میں ابھی وائرلیس پر ان کی تلاش کی ہدایات دیتا ہوں۔"

"اس کے ساتھ ہی اس کار کے نمبر نوٹ کر لو، وہ اپنی کار بھی تو یہاں چھوڑ گئے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے انہیں اس کار کے ذریعے گرفتاری کا خوف نہ ہو۔"

"میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

اکرام نے پہلے تو وائرلیس پر ہدایات دیں اور پھر ایک میڈیکل سٹور سے رجسٹریشن کے دفتر فون کیا۔ ادھر سے تھوڑی دیر بعد بتایا گیا کہ کار ایک شخص جیری کوپر کی ہے، یہ ایک انگریز ہے۔ اس کا پتا بھی بتایا گیا۔ پتے کے ساتھ فون نمبر بھی معلوم کر لیا گیا۔ اب اکرام نے ان نمبروں پر رنگ کیا۔ دوسری طرف سے ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی:

"جیری کوپر پلیز۔"

"کیا سرخ رنگ کی مزدا نمبر B.R 1909 آپ کی ہے۔"

"ارے! تو کیا وہ مل گئی"۔ اس نے چہک کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"میری گاڑی ابھی تھوڑی دیر پہلے چوری ہو گئی تھی، اسے ایک شاپنگ سنٹر کے سامنے سے اڑایا گیا تھا، میں اندر سے شاپنگ کر کے نکلا تو کار غائب تھی، میں نے اسی وقت پولیس اسٹیشن میں رپورٹ درج کرا دی تھی، کیا آپ کا تعلق اس پولیس اسٹیشن سے ہے۔"

"جی نہیں! آپ کی کار نیشنل پارک کے سامنے موجود ہے، آپ یہیں آجائیے اور متعلقہ پولیس اسٹیشن کو بھی اطلاع دے دیں کہ آپ کی کار مل گئی ہے۔"

"او کے، میں آ رہا ہوں۔"

اکرام نے آکر انسپکٹر جمشید کو ساری صورتِ حال بتائی .... اس پر انہوں نے کہا۔

"جیری کوپر کے آنے سے پہلے اس کار سے انگلیوں کے نشانات لے لو، دونوں قاتلوں نے اس پر اپنی انگلیوں کے نشانات ضرور چھوڑے ہیں، کیونکہ وہ شخص جو مجھ سے لفافہ اچک لے گیا، اس نے دستانے نہیں پہن رکھے تھے۔"

"بہت بہتر!" اکرام نے کہا اور اس کا انتظام کرنے چلا گیا۔

جلد ہی ایک سرخ رنگ کا انگریز کار کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے کار کا جائزہ لینے والوں سے کہا:

"میں جیری کوپر ہوں، یہ میری کار ہے۔"

"آپ اس جیپ کے پاس چلے جائیے۔" ماہرین میں سے ایک نے انسپکٹر جمشید کی طرف اشارہ کیا۔ وہ مڑا اور ان کے پاس پہنچا۔

"تو آپ جیری کوپر ہیں .... آپ نے کار چوری ہونے کی رپورٹ کس وقت درج کرائی تھی .... اور کس پولیس اسٹیشن میں؟" انہوں نے کہا۔

"ممتاز غوری روڈ .... وہ شاپنگ سنٹر وہیں ہے۔"

"بہت خوب اور شاپنگ سنٹر کا نام؟"

"وسرا شاپنگ سنٹر، آخر آپ مجھ سے اتنے سوالات کیوں کر رہے ہیں اور یہ میری کار کا اتنے بہت سے لوگ کیوں جائزہ لے رہے ہیں۔" جیری کوپر اردو میں بات کر رہا تھا، شاید یہاں رہتے ہوئے اسے اردو بہت اچھی طرح بولنا آ گئی تھی۔

"یہ کار دو قاتلوں کے قبضے میں رہی ہے، انہوں نے ایک آدمی کو ہلاک کر دیا ہے اور اس کے بعد کار کو یہاں چھوڑ کر فرار ہو گئے۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے خوف زدہ لہجے میں نکلا۔

تھوڑی دیر بعد اس کے کاغذات دیکھ کر اسے کار لے جانے کی اجازت دے دی گئی اور انسپکٹر جمشید، اکرام کی طرف مڑے۔

"ان کی تلاش بدستور جاری رہے گی اور اس لاش کے بارے میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ اس شخص کا کیا نام تھا، وہ کہاں رہتا تھا، اس کا کوئی رشتے دار ہے یا نہیں۔ تمام پولیس اسٹیشنوں کو ہسپتالوں کو یہ اطلاع دے دو کہ کسی گم شدہ شخص کو تلاش کرنے والوں کو تمہارے پاس بھیج دیا جائے، تاکہ تم انہیں لاش دکھا کر کچھ معلوم کر سکو۔"

"بہت بہتر جناب!"

وہ گھر پہنچے تو سوا پانچ بج رہے تھے.... گویا وہ آج بھی لیٹ نہیں پہنچے تھے۔ جیپ سے اترتے ہوئے ان کی نظر زمین پر پڑی اور پھر انہوں نے آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

تصویر کس کی ہے

"فاروق! وہ لوگ کھڑکی پھلانگ گئے ہیں، اب ہمیں دیر نہیں کرنا چاہیے۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"بھئی فکر نہ کرو، اندر فرزانہ موجود ہے اور وہ ان دونوں کے لیے کافی ہے۔" فاروق بدستور چاقو چلاتے ہوئے بولا۔

"کیا کہا، فرزانہ ان دونوں کے لیے کافی ہے، کیا تم بھول گئے کہ وہ ہم دونوں سے زیادہ تیز طرار ہیں اور بھاگنے میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے... ہم تک وہ اتنی جلد پہنچ گئے تھے کہ کیا آج تک کوئی پہنچا ہو گا۔"

"ہاں! میں جانتا ہوں۔" فاروق نے لاپروائی سے کہا۔

"آخر تم یہاں کونسا لفافہ دفن کر رہے ہو، لفافہ تو تم نے ان کی طرف اچھال دیا تھا۔" محمود نے تنگ آ کر کہا۔

"یہی تو تم سمجھے نہیں یار.... وہ لفافہ تو میں نے اپنی جیب میں سے نکال کر پھینکا تھا، کیا تم بھول گئے، آج ہی سکول کی ڈاک میں میرے ایک دوست کا خط آیا تھا اور میں

نے اسے پڑھنے کے بعد جیب میں ڈال لیا تھا.... بس میں نے
جاگتے ہوئے وہ لفافہ جیب سے نکال لیا تھا:

" ارے واہ! یہ کام کیا ہے تم نے... اسی لیے وہ ہمارے
پیچھے آئے ہیں.... جب وہ اس لفافے کے پاس پہنچے ہوں
گے تو انہیں تمہاری چالاکی کا علم ہوگیا ہوگا۔"

" بالکل یہی بات ہے.... اب آئی ہے تمہیں سمجھ، اگرچہ
دیر سے آئی ہے، خیر پھر بھی کوئی بات نہیں، آ تو گئی.... اب
اگر میں اس اصلی لفافے کو یہاں دفن کر رہا ہوں تو کیا بُرا کر
رہا ہوں۔"

" نہیں! تب تو تم بہت نیکی کا کام کر رہے ہو۔" محمود نے
خوش ہو کر کہا پھر بولا:

" لیکن یار ذرا جلدی کر لو، کہیں فرزانہ بے چاری پھنس نہ
جائے اور ادھر اتنی جان بھی نہ الجھ جائیں۔"

" ہاں یہ تو ہے۔" اس نے کہا اور لفافہ گڑھے میں رکھ
کر جلدی جلدی مٹی برابر کرنے لگا، آخر وہ ہاتھ جھاڑ کر
اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اپنے جوتے سے مٹی پر دباؤ ڈالا:

" یہ کیا کر رہے ہو؟"

" دباؤ ڈال رہا ہوں، تاکہ مٹی ابھری ہوئی نظر نہ آئے۔"

" تم احمق ہو، اس طرح تمہارے جوتے کے نشانات

اس پر صاف نظر آئیں گے۔"

" تو کیا ہوا، ہمارے جوتے کے نشانات اور بھی بہت سی
جگہوں پر صاف نظر آ رہے ہیں۔"

" اب تم سے کون مغز مارے۔" محمود نے تلملا کر کہا اور کمرے
کی طرف بڑھا۔ فاروق نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

کمرے میں انہیں کسی گڑبڑ کی آواز سنائی نہ دی
تو وہ جلدی سے اندر پھلانگ گئے۔ سومی فرش پر بے سدھ
پڑی تھی۔

" اوہو، شاید سومی نے ان پر حملہ کیا تھا، آج کل فرزانہ
پر پھر اسے ٹریننگ دینے کا بھوت سوار ہے۔" محمود بولا۔

" یہ بھوت بھی عجیب چیز ہے، ہم پر کچھ زیادہ ہی سوار
ہونے لگا ہے۔" فاروق بڑبڑایا۔

" دھت تیرے کی.... آؤ جلدی، وہ لوگ اندر داخل ہو
چکے ہیں۔"

" ظاہر ہے، وہ لفافہ تلاش کیے بغیر کیسے جا سکتے ہیں....
اور لفافہ ہمارے پاس ہے، لہٰذا انہیں پہلے ہمیں تلاش کرنا
ہوگا.... وہ ہمیں تلاش کر رہے ہوں گے۔"

" ہوں! میرا خیال ہے، ہمیں ہاتھوں میں کوئی ہتھیار لے
لینا چاہیے۔"

"خیال ٹھیک ہے۔" فاروق مسکرایا۔ دونوں نے جلدی جلدی اپنی الماری میں سے اپنے کھلونا ہتھیار نکالے اور کمرے کے دروازے کی طرف بڑھے، عین اسی وقت دروازہ کھلا اور فرزانہ اندر داخل ہوئی۔ وہ دونوں کو بُری طرح گھور رہی تھی۔ پھر ان کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ کھڑکی کے پاس پہنچی اور اسے بند کر دیا.... واپس مڑی اور سومی کو دیکھا بھالا، اس کے کوئی چوٹ نہیں آئی تھی، شاید فرش پر گرنے سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ اس کی طرف سے بے فکر ہو کر وہ ان کی طرف مڑی اور بولی:

"یہ کیا چکر چلا لائے ہو تم؟"

"چکر چلا لائے ہیں ہم؟" فاروق کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا پھر مسکرا کر بولا۔

"تمہارے منہ سے اتفاقیہ طور پر بالکل درست جملہ نکلا ہے، اس بار ہم واقعی خود چکر چلانے کے ذمے دار ہیں۔"

"میں نے یہ جملہ اتفاقیہ نہیں، سوچ سمجھ کر کہا ہے۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"اوہو اچھا، اب مجھے کیا معلوم کہ تم اب سوچ سمجھ کر بھی جملے کہنے لگی ہو.... بہرحال یہ چکر ایک لفافے کا چکر ہے، تمہیں اتنی بات تو شاید معلوم ہو گی۔"

"ہاں! اڑتی پڑتی یہ خبر میرے کانوں تک پہنچ چکی ہے۔" فرزانہ نے کندھے اچکائے۔

"لفافہ تو ہم ان کا واقعی اڑا لائے ہیں۔"

"دکھاؤ مجھے، وہ کیسا لفافہ ہے، کیا بلا ہے۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر کہا۔

"کیا وہ دونوں جا چکے ہیں۔" محمود نے پوچھا۔

"ہاں! جا چکے ہیں، سومی نے ان میں سے ایک کا مزاج پوچھا تھا اور اس کے چہرے پر نقش و نگار بن گئے ہیں لیکن جب دوسرا اندر آگیا تو اس نے سومی کو جھٹک دیا.... ابھی بیچاری سومی دو دو آدمیوں سے مقابلہ نہیں کر سکتی.... میں نے ابھی اسے صرف ایک دشمن سے مقابلے کی تربیت دی ہے۔"

"کمال ہے۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

عین اسی وقت گھنٹی بجی، تینوں چونکے، فرزانہ نے چہک کر کہا۔

"ابا جان آگئے، اب اپنا بیان انہی کے سامنے دہرانا۔" یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف دوڑی۔

"تم تو اس طرح کہہ رہی ہو جیسے ہم ملزم ہوں اور کوئی بیان دینے والے ہوں۔" فاروق نے منہ بنایا، فرزانہ کوئی جواب دیے بغیر مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔ دونوں بھی آگے

بڑھے اور صحن میں پہنچے۔ ادھر سے بیگم جمشید چلی آ رہی تھیں۔
چونک کر انہیں دیکھا:
"ارے! تم کب آئے اور یہ کھڑکی کے راستے سے کیوں
آئے؟"
"جی وہ..... ضرورت ایجاد کی ماں ہے نا امی جان۔" فاروق
نے ہنس کر کہا۔
"ہاں اس جملے کی کیا ضرورت؟" بیگم جمشید نے اسے گھورا۔
"ادھر سے آنے کی ضرورت تھی نا امی جان.... اور شاید
لوگوں نے اسی لیے کھڑکی ایجاد کی تھی۔"
"بھئی یہ کیا ایجاد ہو رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید اندر داخل ہوتے
ہوتے بولے۔
"جی! کھڑکی۔" محمود ہنسا۔
"کیا مطلب..... فاروق آج کل کھڑکی ایجاد کرنے کے چکر
میں ہے۔" انہوں نے حیران ہو کر کہا پھر چونک کر اسے دیکھنے
لگے۔
"آپ میری طرف اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں ابا جان؟"
فاروق نے بوکھلا کر کہا۔
"تو اور کس طرح دیکھیں، تم کام ہی ایسے ایسے کرنے لگے
ہو، اور کچھ نہیں تو اب کھڑکی ہی ایجاد کرنے لگے۔" فرزانہ نے

شریر لہجے میں کہا۔
"ہائیں ہائیں فرزانہ! تم تو اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر ہی پڑ گئی
ہو، اب کھڑکی ایجاد کرنا اتنا بُرا کام بھی تو نہیں ہے۔" محمود
نے بھی مذاق اڑایا۔
"دیکھا ابا جان آپ نے، ارے ہاں آپ نے بتایا نہیں، آپ
مجھے کیوں گھور رہے ہیں۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔
"کیا تم آج نیشنل پارک میں گڑھے کھودتے رہے ہو؟" انہوں
نے اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اب فرزانہ نے بھی
چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کے منہ سے نکلا:
"اوہ!"
"جلدی بتاؤ، گڑھے کھودنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"
"جی وہ گڑھا دراصل میں نے نیشنل پارک میں نہیں، اپنے
پائیں باغ میں کھودا ہے۔"
"اور اس گڑھے میں تم نے کیا دفن کیا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔
"ایک لفافہ۔" اس کی بجائے فرزانہ بولی
"کیا!!!" انسپکٹر جمشید چلائے پھر بولے:
"جلدی جلدی بتاؤ، بات کیا ہے؟"
ان کے چہرے پر جوش کی کیفیت دیکھ کر محمود نے فوراً
ساری بات انہیں بتا دی۔

"جلدی میرے ساتھ آؤ.... باغ میں۔" یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید دروازے کی طرف دوڑے اور اسے کھولتے ہوئے باہر نکل گئے۔ تینوں ان کے پیچھے بھاگے۔ بیگم جمشید ہکا بکا کھڑی رہ گئیں۔

بائیں باغ میں پہنچ کر انسپکٹر جمشید نے مڑ کر فاروق کی طرف دیکھا اور وہ تیر کی طرح اس درخت کے پاس پہنچ گیا جس کے نیچے اس نے گڑھا کھودا تھا۔ گڑھے کے قریب پہنچ کر وہ جھکا اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا:

"اب کھڑے منہ کیا تک رہے ہو، نکالو اس لفافے کو، وہ بہت اہم ہے۔"

"نکالوں کیا، چڑیا اڑ گئی ہے۔" فاروق کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونک کر آگے بڑھے۔ انہوں نے دیکھا، گڑھا کھدا پڑا تھا۔

"تو وہ لفافہ نکال لے گئے۔ گھر سے باہر نکل کر انہوں نے ضرور بائیں باغ کا ہی رخ کیا ہو گا، کیونکہ جب تم انہیں گھر کے اندر نہیں ملے ہو گے تو انہوں نے جان لیا ہو گا کہ تم ضرور باغ میں چھپے ہو، یہاں انہیں تم تو نہ ملے، لیکن انہوں نے گڑھا کھودنے کے آثار دیکھ لیے.... افسوس۔ یہ بہت

برا ہوا، ایک گھنٹے کے اندر وہ لفافہ دو بار ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

"جی کیا مطلب؟" تینوں چونکے۔

"ان دونوں میں سے ایک نے وہ لفافہ اب سے تقریباً آدھ گھنٹا پہلے میرے ہاتھ سے چھینا تھا۔"

"اوہ!!!" وہ دھک سے رہ گئے۔ پھر انسپکٹر جمشید بولے۔

"آؤ اندر چلیں، دروازے کے باہر ان کے قدموں کے نشانات موجود ہیں۔ ان کا اٹھایا جانا ضروری ہے.... پہلے اس کا بندوبست کر لیا جائے۔ دوسرے اب ان کی گرفتاری اور بھی ضروری ہو گئی ہے۔" یہ کہہ کر وہ اندر آ گئے۔ انہوں نے پہلے ایک فون کیا اور پھر چائے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت فرزانہ سے رہا نہ گیا، پوچھ ہی بیٹھی:

"ابا جان! آخر اس لفافے میں کیا تھا؟"

"یہ تو خود مجھے بھی معلوم نہیں کہ اس میں کیا تھا۔"

"جی! کیا مطلب؟" تینوں ایک ساتھ بولے۔

"مطلب یہ کہ اس لفافے کے بارے میں میں بھی اتنا ہی جانتا ہوں، جتنا کہ تم، ہاں یہ بات تم نہیں جانتے کہ وہ مجھ تک کس طرح پہنچا تھا، یہ میں ابھی بتائے دیتا ہوں۔ اس کے بعد تم مجھے بتاؤ گے کہ لفافہ تم تک کس طرح پہنچا تھا۔"

یہ کہہ کر انہوں نے دفتر میں آنے والے آدمی کے
بارے میں تفصیل سے بتا دیا:
"کالا طوفان!" ان کے خاموش ہونے کے بعد فرزانہ
نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ پھر وہ کسی گہری سوچ میں گم ہو
گئی اور فاروق انہیں یہ بتانے لگا کہ لفافہ اس کے ہاتھ کس
طرح لگا تھا۔ فاروق کے خاموش ہونے کے بعد بھی فرزانہ گہری
سوچ میں ڈوبی رہی۔ یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید چونکے بغیر نہ رہ سکے:
"کیا بات ہے فرزانہ! تم کس سوچ میں گم ہو گئیں؟"
"ابا جان! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں نے ایک
بار کسی شخص کے منہ سے یہ دو لفظ کالا طوفان سنے تھے۔"
"کیا واقعی، تمہیں وہم تو نہیں ہوا؟" انسپکٹر جمشید سیدھے
ہو کر بیٹھ گئے۔
"کم از کم میری یادداشت مجھ سے یہی کہہ رہی ہے۔"
"لو جی ان کی یادداشت تو کرنے لگی باتیں۔" فاروق نے
منہ بنایا۔
"تو کیا ہوا، ہم بھی اپنی یادداشت کو باتیں کرنا سکھا
دیں گے۔" محمود نے کہا۔
"خاموش رہو، فرزانہ کو سوچنے دو۔" انسپکٹر جمشید بُرا سا
منہ بنا کر بولے۔

اور پھر فرزانہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے سرسراتی
آواز میں کہا:
"مجھے یاد آ گیا ہے، میں نے کس کے منہ سے کالا طوفان
کا نام سنا تھا.... آئیے ابا جان میرے ساتھ۔"
انسپکٹر جمشید چائے درمیان میں چھوڑ کر اٹھ کھڑے
ہوئے۔ ان کے ساتھ تینوں بھی اپنے کپ رکھ کر اٹھ گئے:
"ارے ارے! چائے تو پیتے جائیے۔"
"آج اتنی ہی چائے کافی ہے بیگم، باقی چائے صبح پی
لیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا اور دروازے کی طرف
لپکے۔ بیگم جمشید نے ایسا بُرا منہ بنایا جیسے کہہ رہی ہوں۔
"توبہ ہے ان جاسوسی کے کاموں سے۔"

○

فرزانہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ان کی جیپ
ایک کوٹھی کے سامنے رک گئی۔ فرزانہ نے آگے بڑھ کر دروازے
کی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ دروازے پر کسی آدمی کے نام کی تختی
نہیں لگی ہوئی تھی۔ اس لیے وہ یہ نہ جان سکے کہ یہاں کون
رہتا ہے اور فرزانہ یہاں کیوں آئی ہے۔ جلد ہی قدموں

کی چاپ سنائی دی اور پھر انہیں اندر سے آتی ایک لڑکی
کی صورت دکھائی دی۔ لڑکی نے بھی انہیں دیکھا اور فرزانہ
کو دیکھ کر اس کا چہرہ کھل گیا۔

"فرزانہ یہ تم ہو.... میں ایک عرصے بعد تمہیں دیکھ رہی
ہوں۔"

"ہاں شازیہ! میں فرزانہ ہی ہوں، ان سے ملو، یہ میرے
ابا جان اور یہ بھائی ہیں۔"

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی انکل اور آپ دونوں
سے بھی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"شازیہ! تمہارے ابا جان کہاں ہے، ہمیں ان سے کچھ
کام ہے۔"

"وہ..... وہ تو یہاں نہیں ہیں۔"

"وہ کہاں مل سکیں گے۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"کچھ کہہ نہیں سکتی، صبح گھر سے جاتے وقت انہوں نے
کہا تھا کہ وہ چند دنوں کے لیے ایک دوسرے شہر جا
رہے ہیں۔"

"اور تم نے ان سے کچھ نہیں پوچھا کہ کہاں جا رہے ہیں۔"

"نہیں.... لیکن آپ لوگ اندر تو آجائیں، مجھے بتائیں تو
سہی، کیا بات ہے، شاید میں کچھ بتا سکوں۔" شازیہ نے کہا۔

"آئیے ابا جان!" فرزانہ نے کہا اور وہ اندر کی طرف بڑھے، شازیہ
انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ کوٹھی اگرچہ چھوٹی تھی مگر
تھی بہت خوبصورت۔ جونہی انسپکٹر جمشید صوفے پر بیٹھے، ان
کی نظر دیوار پر لگی ایک بڑی سی تصویر پر پڑی، وہ اس
طرح اچھلے جیسے کسی بچھو نے ڈنگ مارا ہو، ان کی آنکھیں
حیرت سے پھیل گئیں۔ پھر وہ بولے:

"یہ .... یہ تصویر کس کی ہے؟"

لڑائی کا اصول

"یہی تو ہیں میرے ابا جان جن سے آپ ملنے آئے ہیں .... ان کا نام رؤف گیرانی ہے" شازیہ نے حیران ہو کر کہا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے پریشانی کے عالم میں نکلا۔

"بات کیا ہے ابا جان! آپ کچھ پریشان دکھائی دیتے ہیں" فرزانہ نے بھی فکر مند ہو کر کہا۔

"تم ہمیں یہاں کس لیے لائی تھیں، پہلے یہ بتاؤ۔"

"میں ایک مرتبہ شازیہ کی سالگرہ کی پارٹی میں شریک ہوئی تھی، کسی زمانے میں یہ میری کلاس فیلو تھیں، اس روز پارٹی کے دوران سیاہ رنگ کی آندھی آ گئی تھی اور ہمیں تمام چیزیں اٹھا کر بند کمرے میں جانا پڑا تھا، ایسے میں کسی مہمان نے یہ کہا تھا..... یہ کالا طوفان ہے، اس سے بچنا ہی چاہیے.... کالا طوفان، یہ الفاظ شازیہ کے ابو نے حد درجے خوف زدہ لہجے میں دہرائے تھے، میں نے ان کے خوف کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا تھا، لیکن اس وقت یہی خیال کیا تھا کہ وہ آندھی

سے خوف زدہ ہیں، لیکن اب میں یقین سے کہہ سکتی ہوں، وہ یہ الفاظ سن کر خوف زدہ ہوئے تھے۔"

"ہوں! تم ٹھیک کہتی ہو، اب میں بھی یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ کالا طوفان کے الفاظ سن کر ہی خوف زدہ ہوئے تھے۔"

"آپ.... آپ بھلا یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہیں، آپ تو اس موقع پر موجود تھے ہی نہیں" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا اور پھر وہ ان کا مطلب سمجھ گئی، اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ اس کے منہ سے نکلا:

"نہیں!!"

"ہاں فرزانہ۔ یہ ٹھیک ہے.... اور مجھے بہت افسوس ہے۔"

"آپ لوگ کیا باتیں کر رہے ہیں۔"

"بیٹی! میں تم سے یہ پوچھتا ہوں، کیا تم نے کبھی اپنے ابا جان کے منہ سے کالا طوفان کے الفاظ سنے ہیں۔"

"جی نہیں، آخر بات کیا ہے۔"

"اچھا یہ بتاؤ، گھر میں اور کون کون ہیں۔"

"گھر میں تو ایک خادمہ کے سوا کوئی نہیں ہے، میری والدہ بچپن میں ہی فوت ہو گئی تھیں۔"

"گویا اس وقت تم اس گھر میں اپنی خادمہ کے ساتھ

تنہا ہو۔"

"جی ہاں!"

"اچھا بیٹی.... تو ذرا حوصلہ کر کے یہ خبر سن لو کہ تمہارے ابا جان کو کسی نے ہلاک کر دیا ہے.... تم ہمارے ساتھ چل کر ان کی لاش کی شناخت کر سکتی ہو۔"

"نہیں!!!" شازیہ اتنے زور سے چیخی کہ کمرے کی دیواریں جھنجھنا اٹھیں۔

اسے اور خادمہ کو ساتھ لے کر مردہ خانہ تک جانا کافی تکلیف دہ تھا۔ ان کے دل بھی رنج اور غم سے بھر گئے تھے۔ واپسی پر انسپکٹر جمشید ان دونوں کو ساتھ ہی لے آئے۔ شازیہ نے اپنے ایک ماموں کا پتا دیا تھا، چنانچہ انہوں نے اس کے ماموں کے آنے تک دونوں کو ساتھ ہی رکھنے کا فیصلہ کیا۔ وہ گھر میں داخل ہوئے، بیگم جمشید کو ساری بات بتائی تو انہوں نے شازیہ کو اپنے سینے سے لگا لیا اور دیر تک اس کے ساتھ روتی رہیں۔

شام کے وقت جو شخص انسپکٹر جمشید سے ملنے آیا تھا، وہ شازیہ کا والد ہی تھا۔ اس کا نام رؤف ایرانی تھا، لیکن اب الجھن یہ تھی کہ لفافہ پھر انہی کے ہاتھ لگ گیا تھا، شازیہ اور اس کی خادمہ کو کالا طوفان کے بارے میں کچھ بھی معلوم

نہیں تھا۔ آخر انہوں نے شازیہ سے کوٹھی کی چابی لی اور گھر کی تلاشی لینے کے ارادے سے نکلے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک بار پھر کوٹھی کے دروازے پر موجود تھے۔ انسپکٹر جمشید نے تالا کھولا اور اندر داخل ہوئے۔ دوسرے کمرے دیکھنے کی ضرورت ہی انہیں نہیں تھی، اگر کچھ معلوم ہو سکتا تھا تو رؤف ایرانی کے کمرے سے، چنانچہ انہوں نے پہلے تو یہ اندازہ لگایا کہ رؤف ایرانی کا کمرہ کونسا ہو سکتا ہے، پھر وہ اس کے کمرے میں داخل ہوئے، اس وقت تک سورج غروب ہو چکا تھا اور کوٹھی میں مکمل تاریکی چھا چکی تھی۔ ابھی انسپکٹر جمشید دیوار کے ساتھ بجلی کا سوئچ ٹٹول ہی رہے تھے کہ اندھیرے میں ایک شعلہ سا چمکا۔ ڈز کی آواز ابھری، ساتھ ہی انسپکٹر جمشید تکلیف دہ آواز میں چلائے:

"خبردار محمود، فاروق، فرزانہ یہ جانے نہ پائے۔"

تینوں پلک جھپکنے میں سمجھ گئے کہ کیا ہوا ہے، وہ دروازے کے قریب فرش پر گر گئے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیوار کی طرف اور ادھر ادھر دیکھنے لگے، لیکن یہ اندازہ نہ لگا سکے کہ حملہ آور کمرے میں کہاں چھپا ہے، ظاہر ہے، وہ ان سے پہلے وہاں موجود تھا، انہیں کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ سکتا تھا، جب کہ وہ اسے نہیں دیکھ سکتے تھے، اچانک

کسی نے ان پر چھلانگ لگائی۔ تینوں یک دم دائیں بائیں ہو گئے۔ پھر بھی فاروق اس کے نیچے دب گیا۔ اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی، محمود بے تاب ہو گیا، اس نے اندازے سے اپنے ہاتھ بڑھائے، اس کے ہاتھوں میں کسی کے سر کے لمبے لمبے بال آ گئے۔ اتنے لمبے بال فاروق کے نہیں ہو سکتے تھے، نہ اس کے والد کے، انہیں تو اس نے زخمی کر دیا تھا، دوسرے فاروق کا پتا نہیں کیا حال تھا۔ غصے میں آ کر جو اس نے اس کے بالوں کو مضبوطی سے جھٹکا دیا تو اس کے منہ سے کراہ نکل گئی۔ محمود نے اسی پر ہی بس نہیں کی۔ اس کے سر کو فرش پر دے مارا، اس بار اس کے منہ سے بھیانک چیخ نکلی۔ فرزانہ نے اپنی جگہ سے اب تک حرکت نہیں کی تھی۔ کچھ خیال آتے پر وہ اندازے سے سوئچ کی طرف رینگنے لگی، لیکن عین اسی وقت کمرے کا بلب جل اٹھا۔

"انھوں نے دیکھا، انسپکٹر جمشید نے بڑی مشکل سے اٹھ کر سوئچ آن کیا تھا۔ ان کا دایاں بازو خون سے سرخ ہو رہا تھا۔ ادھر فاروق بے ہوش پڑا تھا، شاید حملہ آور کے نیچے دبتے وقت اس کا سر فرش سے ٹکرا گیا تھا۔ اب لے دے کے فرزانہ اور محمود ٹھیک تھے۔ محمود پہلے ہی حملہ آور سے بھڑا ہوا تھا، اس کے ہاتھوں میں حملہ آور کے بال کچھ اس مضبوطی

سے جکڑے گئے تھے کہ چھڑائے نہیں چھوٹ رہے تھے اور وہ جھٹکے پر جھٹکا دے رہا تھا۔ فرزانہ یہ منظر دیکھ کر گھبرا گئی، اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کس طرح محمود کی مدد کرے!

"فرزانہ! کھڑی دیکھ کیا رہی، ہاتھ پیر کیوں نہیں ہلاتیں۔"

"ہاں! ہاتھ پیر.... میں بھی سوچ رہی تھی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے، تم نے خوب یاد دلایا کہ مجھے ہاتھ پیر ہلانے چاہییں۔" یہ کہہ کر اس نے کمرے میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں اور ایک کرسی اٹھا کر سر سے بلند کر لی پھر محمود سے بولی:

"بس! اب تم اس کے بال چھوڑ کر الگ ہٹ جاؤ، میں خود ہی ہلا لوں گی ہاتھ پیر۔"

"یہ کیا کر رہی ہو.... کیا تمہیں کچھ اور نہیں مل رہا۔" محمود نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"اب کچھ اور کہاں سے لاؤں، یہاں تو یہی کچھ ہے اور ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے کرسی اس کے گھٹنوں پر دے ماری۔ وہ بری طرح بلبلا اٹھا۔ یہ دیکھ کر محمود کو اطمینان ہوا کہ فرزانہ کا وار کارگر ثابت ہوا ہے۔ اس نے خوش ہو کر کہا:

"شاباش فرزانہ.... ایک بار اور۔"

لو ابھی مخالفت کر رہے تھے اور اب کہہ رہے ہیں ایک بار اور۔" یہ کہتے ہوئے اس نے کرسی ایک بار پھر اس کے

گھٹنوں پر ماری ، اس کے ساتھ ہی محمود نے اس کا سر پوری قوت سے فرش سے ٹکرایا - اس کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی ، وہ تھوڑی دیر کے لیے تڑپا اور بے حس ہو گیا - محمود اور فرزانہ کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"ارے باپ رے...... کہیں یہ مر تو نہیں گیا؟"

"مر بھی گیا تو کیا ہے .... اس نے کون سا ہمیں مار ڈالنے میں کسر چھوڑ دی تھی.... ابا جان کے گولی لگ چکی ہے ..... فاروق بے ہوش پڑا ہے ، میں اور تم بھی اپنا زور صرف کر چکے ہیں" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"لیکن شاید ابا جان اس سے بہت کچھ معلوم کر سکتے تھے" محمود بولا۔

اب انہوں نے دیکھا ، یہ وہی تھا جسے اس کے ساتھی نے شانکا کہہ کر مخاطب کیا تھا - انہوں نے کمرے میں ادھر ادھر دیکھا ، لیکن اس کا ساتھی کہیں بھی نظر نہ آیا۔ شاید یہ تنہا ہی آیا تھا - اسی وقت شانکے نے کراہ کر کروٹ لی :

"ارے ! یہ تو زندہ ہے" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"چلو اچھا ہے ، تمہارے سر سے بلا ٹلی ..... آؤ اب ابا جان کو دیکھیں۔"

گولی ان کے کندھے کے قریب بازو میں لگی تھی. خون کافی تیزی سے بہہ رہا تھا - انہوں نے اپنے رومال ان کے بازو پر باندھے ، فاروق کو ہلا جلا کر ہوش میں لائے اور پھر تینوں نے مل کر انہیں کسی نہ کسی طرح اٹھا کر جیپ میں لٹا دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ پوری رفتار سے ہسپتال کی طرف جا رہے تھے، ہسپتال میں انہیں ڈاکٹر کے حوالے کرنے اور فاروق اور فرزانہ کو ان کے پاس چھوڑنے کے بعد محمود نے اکرام کو فون کیا :

"ہیلو انکل اکرام ..... ایک اور واردات ہو گئی ہے ، ابھی حملہ آوروں میں سے ایک نے ابا جان پر گولی چلا دی ہے ، گولی اندھیرے کمرے میں چلائی گئی ہے ، تاہم ہم نے بھی حملہ آور کا اچھا بھرتہ بلکہ چٹنی بنا دی ہے اور اب وہ زخموں سے چور رؤف ایرانی کی کوٹھی میں پڑا ہے - رؤف ایرانی وہی شخص ہیں جن کی لاش محکمے کی عمارت کے باہر ملی تھی - آپ کو تو شاید یہ معلوم ہی ہو گا کہ ان کی بیٹی' فرزانہ کی کسی زمانے میں کلاس فیلو رہ چکی ہے ؛ چنانچہ آپ رؤف ایرانی مرحوم کی کوٹھی میں چلے جائیں اور شانکے صاحب کو قبضے میں کر لیں"

"تو اس کا نام شانکا ہے"

"جی ہاں ! اور دیکھیے ، نکل کر جانے نہ پائے ..... ابا جان اس سے نہ جانے کیا کیا سوالات کرنا چاہتے ہیں"

"ٹھیک ہے۔ تم فکر نہ کرو، وہ فرار نہیں ہو سکے گا، میں اسی وقت ادھر روانہ ہو رہا ہوں۔"

فون سے فارغ ہو کر محمود نے اپنی امی کو حادثے کی اطلاع دی، ساتھ ہی کہا:

"لیکن فکر کی کوئی بات نہیں ہے، بازو کی ہڈی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا اور اب ڈاکٹر صاحب گولی نکالنے میں مصروف ہیں۔"

"اچھا! میں ہسپتال آ رہی ہوں۔"

"شازیہ اور خادمہ سے کہہ آئیں کہ دروازے اندر سے بند رکھیں.... بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ آپ نہ آئیں۔"

"نہیں! میرا آنا ضروری ہے۔" انہوں نے کہا۔

محمود آپریشن تھیٹر میں پہنچا تو اس کے والد ہوش میں تھے اور بڑے سکون سے مرہم پٹی کرا رہے تھے۔ اسے دیکھ کر مسکرائے:

"حملہ آور کا کیا رہا؟"

"انکل اکرام اسے لینے گئے ہیں.... اور گھر کی تلاشی بھی وہی لے لیں گے۔"

"بہت خوب! میں چاہتا ہوں اسے یہیں لے آیا جائے، تاکہ میں جلد از جلد اس سے سوالات کر سکوں۔"

"جی بہتر! میں انکل کو رؤف ایرانی صاحب کی کوٹھی میں ہی فون کرنے کی کوشش کرتا ہوں، ظاہر ہے کہ وہ چل چکے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے.... اور ان سے کہنا یہ جائزہ بھی لے کر آئیں کہ حملہ آور اندر داخل کس طرح ہوا تھا، کیونکہ بیرونی دروازہ تو باہر سے بند ملا تھا۔"

"بہت بہتر۔" اس نے کہا اور ایک بار پھر فون کرنے نکل کھڑا ہوا۔

چند منٹ انتظار کرنے کے بعد اس نے رؤف ایرانی کے نمبر ملائے، آتے ہوئے وہ نمبر نوٹ کر لائے تھے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی کسی نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا۔

"انکل! یہ آپ ہیں۔"

"اوہ محمود.... میں فون کرنے ہی والا تھا.... شانگا تو ختم ہو چکا ہے.... کیا تم میں سے کسی نے اس کے سر میں گولی بھی ماری تھی؟"

"بالکل نہیں۔" محمود نے حیرت زدہ لہجے میں فوراً کہا۔

"تو پھر اس کا دوسرا ساتھی اسے ضرور گولی مار گیا ہے.... اس نے جب دیکھا ہو گا کہ اس کا ساتھی بے کار ہو چکا ہے اور پولیس وہاں پہنچنے والی ہے تو اس نے یہی بہتر سمجھا کہ اس کا کانٹا ہی نکال دے اور اگر وہاں کالا طوفان کے بارے

میں کوئی کاغذات تھے تو وہ بھی اب یہاں نہیں ہیں۔"

"خیر، آپ لاش پر قبضہ کریں، اور ہاں ابا جان یہ چاہتے ہیں کہ ان کے اندر داخل ہونے کا راستہ معلوم کر لیا جائے۔"

"ٹھیک ہے، میں ابھی آ کر رپورٹ دیتا ہوں۔"

شانکا کی موت کی خبر سن کر انسپکٹر جمشید کی پیشانی پر لکیریں ابھر آئیں۔ تھوڑی دیر بعد اکرم نے آ کر انہیں رپورٹ دی:

"لاش پوسٹ مارٹم کے لیے جا چکی ہے۔ کوٹھی کے پچھلے حصے میں ایک پائپ چھت تک چلا گیا ہے، اس کے ذریعے نہایت آسانی سے چھت تک پہنچا جا سکتا ہے اور اس کے بعد نیچے پہنچنا بالکل مشکل نہیں، کیونکہ زینے کا دروازہ کھلا پڑا ہے۔"

"ہوں! گویا تفتیش کے تمام راستے بند کر دیے گئے ہیں..... خیر دیکھا جائے گا۔"

بیگم جمشید آ گئی تھیں اور حد درجے فکر مند نظر آ رہی تھیں، لیکن انسپکٹر جمشید کی بھرپور مسکراہٹ نے ان کے فکر میں بڑی حد تک کمی کر دی:

"بیگم تمہیں گھر ہی رہنا چاہیے تھا، کہیں شازیہ کی زندگی خطرے میں نہ ہو، اگر وہ یا خادمہ کالا طوفان کے بارے میں کوئی بات بھی جانتی ہیں تو وہ انہیں بھی ختم کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"نہیں..... میں ابھی واپس چلی جاتی ہوں، ویسے وہ تمام دروازے

اندر سے بند کر کے بیٹھی ہیں۔"

"ہوں خیر! ان دونوں سے کہنا کہ کالا طوفان کے بارے میں کچھ یاد کرنے کی کوشش کریں، شاید کسی موقعے پر روزی صاحب نے ان سے کچھ ذکر کیا ہو۔"

"بہت اچھا! میں ان سے کہہ دوں گی۔"

"فرزانہ! خان رحمان اور پروفیسر داؤد کو بھی میرے زخمی ہونے کی خبر دے دو، ورنہ وہ بعد میں مجھ پر بہت بگڑیں گے کہ خبر کیوں نہیں کی۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور اٹھ کر چلی گئی۔ فاروق گم صم بیٹھا تھا، شاید سر کی چوٹ کا اثر تھا۔ انسپکٹر جمشید نے ڈاکٹر سے کہا:

"ڈاکٹر صاحب! ذرا اسے بھی چیک کر لیں۔"

"میں ٹھیک ہوں ابا جان!" اس نے فوراً کہا۔

"تو پھر چپ چاپ کیوں بیٹھے ہو۔"

"یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ گولی مجھے کیوں نہیں لگی..... مجھے لگی ہوتی تو اس وقت میں پوری طرح چیک رہا ہوتا...... دوسرے یہ کہ اتنی محنت اور بھاگ دوڑ کے بعد بھی ہم وہیں ہیں..... یعنی ہمارے پاس کالا طوفان کے سلسلے میں دیکھتے ہی محمود بھی تو نہیں۔"

"پروا نہ کرو، اور ایک جگہ جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"
انہوں نے پر اسرار انداز میں کہا۔

"جی بہتر!" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

جلد ہی وہاں پروفیسر داؤد اور خان رحمان بال بچوں سمیت نظر آئے۔ خان رحمان آتے ہی بولے:

"جمشید تم بچ گئے مجھے وقت پر اطلاع دے کر، ورنہ اس بار میں بہت بری طرح پیش آتا۔"

"اور میں ان سے بھی بری طرح۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"خدا کا شکر ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔ پھر ان تینوں کی طرف مڑے۔

"محمود، فاروق اور فرزانہ کیا تم جانے کے لیے تیار ہو۔"

"جی ہاں، پوری طرح تیار ہیں۔" انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

"اس حالت میں انہیں کہاں بھیج رہے ہو۔"

"کام نہیں رکنا چاہیے، ورنہ دشمن دور نکل جائے گا.... میں انہیں ایک ضروری کام سے بھیج رہا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے کاغذ سے قلم پر کچھ لکھا اور کاغذ ان تینوں کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے:

"اس پتے پر چلے جاؤ، اس پر میں نے ایک نشان بنا دیا ہے، جاتے ہی اس شخص کو دکھا دینا جو دروازہ کھولے....؟"

"بس....."

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

"بس یا کچھ اور۔"

"بس!" انہوں نے کہا، پھر بولے:

"اور ہاں! اپنی امی کو ساتھ لے جاؤ، انہیں گھر اتار دینا، لیکن وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے یہ دیکھ لینا کہ شازیہ اور اس کی خادمہ خیریت سے تو ہیں۔"

"جی بہتر!"

بیگم جمشید کا دل اگرچہ جانے کو نہیں چاہ رہا تھا، لیکن مجبوراً اٹھنا پڑا، سب سے معذرت کر کے ان کے ساتھ چل پڑیں۔

"بھئی اگر کار کی ضرورت ہے تو میری کار لے جاؤ۔" خان رحمان بولے۔

"ان کی کار تو بہت بڑی رہے گی، میری چھوٹی سی کار ٹھیک رہے گی۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"شکریہ انکلز.... ہم موٹر سائیکلوں پر ہی چلے جائیں گے۔" محمود نے کہا اور کمرے سے نکل آئے۔

گھر کے دروازے پر پہنچ کر چاروں موٹر سائیکلوں سے اترے۔ بیگم جمشید نے آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبایا۔ تھوڑی دیر بعد شازیہ نے دروازہ کھولا، اسے دیکھتے ہی محمود

فاروق اور فرزانہ موٹر سائیکلوں پر سوار ہو گئے، بیگم جمشید
اندر داخل ہو گئیں، دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا۔ فاروق
نے موٹر سائیکل سٹارٹ کی، لیکن محمود اسی طرح کھڑا رہا۔
فرزانہ اس کے پیچھے بیٹھی تھی۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

"مجھے .... ہاں نہ جانے مجھے کیا ہو گیا ہے، آؤ چلیں؟"
اس نے بھی موٹر سائیکل سٹارٹ کر لی اور وہاں سے روانہ
ہوئے، لیکن سڑک پر آکر محمود بول پڑا۔

"ذرا ٹھہرو فاروق۔"

"کیوں اب کیا ہوا؟"

"میرا خیال ہے، گھر میں کچھ گڑبڑ ہے۔"

"تمہیں یہ خیال کس طرح آیا؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"میں نے شازیہ کے چہرے کی طرف دیکھا تھا.... خوف کا
ایک ہلکا سا سایہ اس کی آنکھوں میں مجھے نظر آیا تھا۔"

"اوہ! تو تم وہیں کیوں نہ اتر پڑے، ہم امی جان کے
ساتھ اندر داخل ہو سکتے تھے۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"میں اتنا بے وقوف نہیں.... اس صورت میں ہم تینوں
پھنس جاتے.... آؤ واپس چلیں، لیکن ہم موٹر سائیکلیں یہیں
چھوڑ دیں گے تاکہ وہ ہوشیار نہ ہو جائیں۔"

"کیا تمہارے خیال میں اندر ایک سے زائد لوگ موجود ہیں؟"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔"

"اور میں یہ سمجھتی ہوں کہ محمود کو وہم ہوا ہے۔"

"چلو! اگر مجھے وہم ہوا ہے تو بھی اندر کے حالات دیکھ لینے
میں کیا حرج ہے، ابا جان کی ہدایت بھی تو یہی ہے۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔" فاروق نے کہا۔

تینوں تیز تیز چلتے واپس آئے اور پائیں باغ میں
گھس گئے۔ ایسے موقعوں کے لیے انہوں نے ایک درخت کی
شاخوں کا انتظام کر رکھا تھا، شاخیں چھت کی منڈیر تک چلی
گئی تھیں اور ان شاخوں کو انہوں نے نائیلون کی رسی کے
ذریعے باندھ رکھا تھا، لیکن اس بات کا پتا کسی اور کو نہیں
تھا۔ انہوں نے اس غرض کے لیے نائیلون کی سبز رنگ کی رسی
سے کام لیا تھا، نیچے سے دیکھنے پر کوئی شخص یہ نہیں کہہ
سکتا تھا کہ شاخیں اس سے باندھ کر منڈیر سے باندھ دی
گئی ہیں۔

سب سے پہلے فاروق درخت پر چڑھا اور شاخوں
پر سے ہوتا ہوا چھت پر پہنچ گیا۔ اس کے بعد محمود اور
پھر فرزانہ پہنچی۔ تینوں دبے پاؤں زینے کی طرف بڑھے۔ اس
وقت فاروق نے سرگوشی کی:

"سب سے پہلے نیچے میں جاؤں گا، تم پیچھے رہ کر حالات کا جائزہ لو گے۔"

"تمہارے پاس کھلونا ہتھیار تو ہے نا۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"ہاں ہے، تم فکر نہ کرو۔" یہ کہہ کر وہ دبے پاؤں سیڑھیاں اترنے لگا۔ آخری سیڑھی پر قدم رکھتے ہی اس نے صحن کا منظر صاف طور پر دیکھا۔ شازیہ اور خادمہ رسیوں سے بندھی ہوئی تھیں اور اب وہی دوسرا حملہ آور بیگم جمشید کو باندھ رہا تھا۔

"ہیلو..... یہ کیا ہو رہا ہے؟" فاروق نے پرسکون آواز میں کہا اور ساتھ ہی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔

حملہ آور چونک کر مڑا، اس وقت فاروق نے دیکھا، اس کے دوسرے ہاتھ میں ایک خنجر تھا۔

"خدا کا شکر ہے فاروق تم آگئے، میں تو مایوس ہو گئی تھی اور یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ تم تینوں کچھ نہیں بھانپ سکے ہو۔" بیگم جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ ایک چھٹانک کا لڑکا میرا کیا کر لے گا۔" شانکے کے ساتھی نے ہنس کر کہا۔

"تمہارا نام کیا ہے دوست، شاید تم شانکے کا حشر بھول گئے ہو، لیکن نہیں، تم خود ہی تو اسے گولی مار کر آئے ہو۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے، یہ میرا ہی کام ہے..... وہ نالائق اسی قابل تھا، وہ میرا شاگرد تھا، میں اس کا استاد ہوں..... میرا نام منگو خان ہے....۔"

"لیکن تمہارے مقابلے میں قد آور تو وہ تھا.... ہاں چہرہ تمہارا بھی لمبوترا ہے۔"

"ہم دونوں چچا زاد بھائی تھے، اس لحاظ سے مجھے تم سے اس کا انتقام بھی لینا ہے۔" اس نے غرا کر کہا۔

"بھلا ہم سے کیوں، مارا تو اسے تم نے ہے۔"

"اس لیے کہ میں اسے ساتھ لے کر بھاگ نہیں سکتا تھا، خود بھی پکڑا جاتا.... لیکن بے کار تو اسے تم نے ہی کیا ہے، اس کے گھٹنے پھوٹے ہوئے ملے تھے۔"

"ارے باپ رے.... یہ اس غریب کے گھٹنے کیسے پھوٹ گئے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"بکو مت..... یہ تم تینوں ہی کی کارستانی ہوگی..... اب آ جاؤ، تم بھی ستون کی طرف، تاکہ میں تمہیں بھی باندھ کر مزے لے لے کر ہلاک کر سکوں، میں جانتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید زخمی ہیں اور وہ واپس نہیں آسکیں گے۔"

"تمہاری معلومات واقعی بالکل درست ہیں، لیکن ہم تمہارے لیے ان کے بغیر بھی کافی ہوں گے۔"

"ہم..... کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟"

"بعض اوقات میں اپنے لیے بھی ہم کا لفظ بول جاتا ہوں اور یہ ایک بری عادت ہے، مجھے معاف کر دیں۔" فاروق نے کہا۔

"عجیب احمق ہو، مجھ سے لڑنے جا رہے ہو اور اپنی بُری عادت کی معافی مانگ رہے ہو۔"

"لڑنا اور بات ہے، بری عادت سے پیش آنا اور بات ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"اب تم ادھر آتے ہو یا میں خود تمہاری طرف آؤں۔" اس نے کہا۔ اتنی دیر میں وہ بیگم جمشید کو باندھ چکا تھا۔

"لو میں خود آجاتا ہوں، لیکن تم بھی تو چند قدم میری طرف بڑھو..... لڑائی کا اصول یہی ہے۔" فاروق نے کہا۔

"ضرور ضرور..... کیوں نہیں۔" اس نے خوش ہو کر کہا اور رُخ موڑ کر اس کی طرف آیا۔ ساتھ ہی فاروق نے جیب سے ہاتھ باہر نکالا، لیکن کھلونا ہتھیار استعمال کرنے کی حسرت اس کے دل میں رہ گئی۔ منگو خان کی پھرتی حیرت انگیز تھی۔ آن کی آن میں وہ فاروق کے سر پہ پہنچ گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹک دیا۔ فرش پر گرنے والی چیز کو دیکھ کر اس کے منہ سے نکلا:

"ارے یہ کیا، میں تو سمجھا تھا، تم پستول یا خنجر جیب سے نکال رہے ہو، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ انسپکٹر جمشید کے

بچے اس عمر کو پہنچ کر بھی کھلونوں سے کھیلتے ہیں..... خیر..... اب تم ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

فاروق نے بے بسی کے انداز میں ہاتھ اوپر اٹھا دیے اور ستون کی طرف چل پڑا۔ محمود نے اوپر سے یہ منظر دیکھا تو تڑپ کر نیچے آیا اور منگو خان کی کمر پہ ایک لات رسید کی، وہ پیچھے کی طرف سے بے خبر تھا، دھڑام سے منہ کے بل گرا، ساتھ ہی اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی۔

"بھئی کمال ہے، صرف گرنے پہ اتنے زور سے چیخ پڑے ہو۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

لیکن اسی وقت وہ پیٹ پکڑے ہوئے سیدھا ہو گیا اور انہوں نے دیکھا، اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا خنجر اسی کے پیٹ میں لگ گیا تھا، خنجر ابھی تک پیٹ میں پیوست تھا اور وہ بُری طرح تڑپ رہا تھا۔ محمود اور فاروق نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا، شازیہ نے تو دونوں ہاتھوں سے آنکھیں بند کر لیں۔ اوپر سے فرزانہ تیز تیز سیڑھیاں اترتی ان کے قریب آ گئی اور بولی:

"یہ بہت بُرا ہوا۔"

"ہاں! لیکن اس میں ہماری کسی کوشش کو دخل نہیں۔" محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"لیکن ہم اسے بچا سکتے ہیں، فوراً ڈاکٹر کو فون کرو۔" فاروق نے کہا۔

محمود جلدی سے فون کی طرف لپکا اور ڈاکٹر انصاری کے نمبر ڈائل کیے۔ سلسلہ ملتے ہی اس نے کہا:

"ہیلو انکل! میں محمود بول رہا ہوں، یہاں ایک مجرم اپنے ہی خنجر سے شدید زخمی ہو گیا ہے، اس کا بیان لینا بہت ضروری ہے، اس لیے مہربانی فرما کر آپ فوراً یہاں آ جائیں۔"

"بہت بہتر، میں آ رہا ہوں۔"

محمود نے اطمینان کا سانس لے کر ریسیور رکھ دیا اور ڈاکٹر کا انتظار کرنے لگے۔ اس دوران فاروق اور فرزانہ انہیں رسیوں سے آزاد کرا چکے تھے۔

"خدا کا شکر ہے، آج زندگی میں پہلی بار میں خوف زدہ ہوئی تھی.... وہ بھی اس بچی اور مریم بہن کے لیے، کیونکہ میں ان کے لیے کچھ بھی نہ کر سکی۔"

"لیکن یہ اندر کس طرح داخل ہو گیا تھا۔" محمود نے پوچھا۔

"اس نے کہا تھا، میں محمود ہوں، دروازہ کھولو.... اب میں محمود بھائی کی آواز پہچانتی نہیں تھی، بس دروازہ کھول بیٹھی۔" شازیہ نے کہا۔

منگو خان ابھی تک پڑا تڑپ رہا تھا۔ اچانک دروازے

پر دستک ہوئی، محمود نے دروازہ کھولا تو ڈاکٹر انصاری کھڑے مسکرا رہے تھے۔ وہ انہیں لے کر اندر آیا۔ انہوں نے زخمی کا معائنہ کیا اور پھر احتیاطی تدابیر کرنے کے بعد بولے:

"اسے فوراً ہسپتال لے جانا ضروری ہے، میں ایمبولینس کے لیے فون کیے دیتا ہوں۔"

ڈاکٹر انصاری تو فون کر کے چلے گئے۔ محمود نے انسپکٹر جمشید کو فون پر حالات کی اطلاع دی اور بولا:

"اب ہمارے لیے کیا حکم ہے ابا جان؟"

"منگو خان سے پوچھ گچھ کے لیے اکرام پہنچ جائے گا، تم وہیں جاؤ، جہاں جانے کی تمہیں ہدایت دی گئی ہے اور اپنی امی سے کہہ دو کہ اب ہرگز دروازہ نہ کھولیں۔"

"بہت بہتر ابا جان۔"

منگو خان کو ایمبولینس پر سوار کرا کے وہ اس پتے کی طرف روانہ ہوئے، جو کاغذ پر لکھا تھا۔ پتا تلاش کرنے میں انہیں کئی منٹ لگ گئے۔ ایک تنگ و تاریک سی بستی میں وہ مکان تھا۔ اس کے دروازے کا رنگ سبز تھا۔ دروازے پر کوئی گھنٹی بھی نہیں لگی تھی، اس لیے محمود نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی، چند منٹ بعد دروازہ کھلا۔ چندھیائی ہوئی آنکھوں والے ایک بوڑھے نے سر باہر نکال کر ان کی طرف حیرت بھری

نظروں سے دیکھا اور پھر کرخت آواز میں بولا:

"کیا بات ہے؟"

"یہ دیکھیے۔" محمود نے کاغذ نکال کر اسے دکھایا۔ اس نے کاغذ کو غور سے دیکھا اور پھر اس کا رویہ ایک دم بدل گیا۔

"انسپکٹر جمشید کے لیے جان بھی حاضر ہے اور ان کا پیغام لانے والوں کے لیے بھی، اندر آجاؤ۔"

تینوں اندر داخل ہوئے۔ مکان حد درجے پرانا اور ٹوٹا پھوٹا تھا۔ اندر ہوا کی آمدورفت کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ اس لیے گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی۔ بوڑھا انہیں ایک کمرے میں لایا، یہ نسبتاً صاف تھا۔ اس میں چار پانچ کرسیاں بھی تھیں۔ بوڑھے نے انہیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھ گیا۔ چند لمحے تک انسپکٹر جمشید کے دیے ہوئے کاغذ کو بغور دیکھتا رہا پھر بولا:

"تو آپ کالا طوفان کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں؟"

"ہاں! جو کچھ بھی آپ اس کے بارے میں بتا سکیں۔" محمود نے جواب میں کہا۔

"بہت خوب! میں آپ کو کالا طوفان کے بارے میں بتاؤں گا.... وہ ایک غیر ملکی تھی، اس نے ملک کیران میں گناہ کا بیج بویا تھا.... اس نے ایک بہت بڑا گروہ اپنے گرد جمع کر لیا تھا...."

اس کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اسی وقت دروازہ کھٹکھٹایا گیا تھا۔ بوڑھے نے اٹھتے ہوئے کہا:

"ایک منٹ.... میں ابھی دیکھ کر آتا ہوں، دروازے پر کون ہے اور پھر یہ لرزہ خیز کہانی سناؤں گا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ کمرے سے نکل گیا۔ تینوں اس کا انتظار کرنے لگے۔ آخر کالا طوفان کے بارے میں انہیں معلومات حاصل ہونے کا سامان ہو ہی گیا تھا۔ انہیں اپنے ابا جان پر بھی حیرت ہو رہی تھی کہ انہیں یہ کس طرح معلوم ہو گیا کہ یہ بوڑھا کالا طوفان کے بارے میں بتا سکے گا، نہ جانے یہ کون ہے....

"میرے خیال میں یہ بھی کیران کا باشندہ ہے۔" فرزانہ نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

"ہاں! ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"ارے!" محمود کے منہ سے نکلا۔

"یہ ارے یہاں کہاں سے آٹپکا؟" فاروق نے منہ بنایا۔

"وہ.... وہ شازیہ کے ابا جان بھی تو کیران کے ہی تھے۔"

"اوہ ہاں! واقعی.... اس کا تو خیال ہی نہیں آیا۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے، اس کیس کا تعلق ملک کیران سے ہے۔" محمود نے کہا۔

"ہاں! اور کہانی بھی بہت پرانی لگتی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن یہ بوڑھا اب تک کیوں لوٹ کر نہیں آیا۔"

"عجیب بات ہے، دروازے کی طرف سے باتیں کرنے کی آواز بھی تو نہیں آئی۔" فرزانہ نے چونک کر کہا۔ پھر کھڑی ہو گئی:

"مجھے گھبراہٹ سی محسوس ہو رہی ہے .... آؤ چل کر دیکھیں۔"

تینوں دوڑ کر دروازے پر پہنچے اور پھر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ بوڑھا مردہ حالت میں دروازے کے اندر پڑا تھا، اس کے سینے میں عین دل کے مقام پر ایک خنجر دستے تک پیوست تھا اور اس کے خون سے زمین سرخ ہو رہی تھی، گلی سنسان پڑی تھی۔

کاٹھ کا اُلّو

"ابّا جان! ہمیں بہت افسوس ہے، ہم ناکام لوٹے ہیں۔" محمود نے ہسپتال کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب! کیا گردیزی نے یہ کہا ہے کہ وہ کالا طوفان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"جی نہیں! وہ تو بہت کچھ جانتا تھا اور بتانے بھی لگا تھا کہ عین اسی وقت اس کی موت کا فرشتہ وہاں پہنچ گیا۔"

"تمہارا مطلب ہے قاتل۔" انہوں نے چونک کر پوچھا۔

"جی ہاں! اس نے کالا طوفان کی کہانی شروع کی ہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی، اپنی بات درمیان میں چھوڑ کر وہ دروازے پر گیا اور لوٹ کر نہ آیا .... ہم نے جا کر دیکھا تو خنجر سے اس کا کام تمام کیا جا چکا تھا۔"

"اوہ! پھر تم کیا کر آئے ہو۔"

"انکل! اکرام کو فون پر اطلاع دے کر سیدھے یہاں آ گئے ہیں اور کر بھی کیا سکتے تھے۔" محمود نے کہا۔

"تم نے اچھا کیا.... کیا اس نے کہانی شروع کرتے ہوئے کوئی ایسی بات نہیں بتائی جس سے ہمیں کوئی مدد مل سکے؟" انہوں نے پوچھا۔

"اس نے جو الفاظ ادا کیے، وہ یہ تھے.... میں آپ کو کالا طوفان کے بارے میں بتاؤں گا، وہ ایک غیر ملکی تھا، اس نے ملک کیران میں گناہ کا بیج بویا تھا۔ اس نے ایک بہت بڑا گروہ اپنے گرد جمع کر لیا تھا...." محمود یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"بس....؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی ہاں! ابھی وہ یہاں تک ہی کہہ پایا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور وہ چلا گیا۔"

"بہت خوب! پھر تم یہ کس طرح کہہ سکتے ہو کہ تم ناکام لوٹے ہو، تم تو بالکل کامیاب لوٹے ہو، اصل سراغ تو ہمیں مل گیا ہے کہ کالا طوفان کا تعلق کیران سے تھا اور اب آگے معلومات حاصل کرنا ہمارے لیے مشکل ثابت نہیں ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا، پھر فون قریب منگا کر کسی کے نمبر ڈائل کیے، جلد ہی سلسلہ مل گیا اور وہ بولے:

"ہیلو مسٹر شاردا.... کیران میں کسی زمانے میں کالا طوفان کا غلغلہ ہوا تھا، میں اس کی تفصیل جاننا چاہتا ہوں، میرا نمبر نوٹ کر لیں۔"

انہوں نے نمبر بتاتے ہوئے کہا۔

"کیا کالا طوفان کا پھر نام سننے میں آیا ہے؟"

"ہاں! اور اس سلسلے میں تین چار آدمی مارے جا چکے ہیں، خود میں بھی زخمی ہوں اور ہسپتال میں پڑا ہوں، ورنہ خود آپ کے پاس آتا۔"

"اوہ! یہ تو بہت خوفناک بات ہے، خیر میں آدھ گھنٹے بعد ایک آدمی آپ کے پاس بھیجوں گا، وہ آپ کو کالا طوفان کی کہانی سنا دے گا۔"

"بہت بہت شکریہ!" انہوں نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور ان سے بولے:

"لو بھئی! بندوبست ہو گیا ہے۔"

پروفیسر داؤد اور خان رحمان انسپکٹر جمشید کے بار بار اصرار کے بعد واپس چلے گئے تھے۔ لہذا اب کمرے میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

"محمود! گھر فون کر کے معلوم کرو، وہاں پر خیریت تو ہے۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور گھر کے نمبر ڈائل کیے۔ ادھر سے بیگم جمشید نے بتایا کہ ہر طرح خیریت ہے.... انہوں نے رات کے کھانے کے بارے میں بھی پوچھا، لیکن انہوں نے کہہ دیا کہ یہاں سے ہی کچھ منگا کر کھا لیں گے، ان حالات میں ان کا گھر

سے نکلنا ٹھیک نہیں۔

آدھا گھنٹہ گزر گیا، لیکن مسٹر شاردا کا بھیجا ہوا آدمی نہ آیا۔ انہیں الجھن سی ہونے لگی:

"یہ مسٹر شاردا کون ہیں ابا جان!" فرزانہ نے الجھن سے نجات حاصل کرنے کی غرض سے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا۔

"کیران سے آنے والے ایک سوداگر، میری ان سے دو تین سال پرانی ملاقات ہے.... یہ ملاقات کیران کی کچھ نادر چیزیں خریدنے کے سلسلے میں ہوئی تھی۔" انہوں نے بتایا۔

"وہ چیزیں آپ نے خریدی تھیں۔"

"نہیں، خان رحمان نے.... لیکن ان کے ساتھ اس وقت میں بھی تھا، اس کے بعد بھی خان رحمان کے ساتھ دو ایک بار جانا ہوا، دراصل اخبار میں اشتہار شائع ہوا تھا کہ کیران کا ایک سوداگر کچھ نادر چیزیں لے کر آپ کے ملک میں آیا ہے، نوادرات کے شوقین اس موقعے سے فائدہ اٹھائیں، خان رحمان کو چونکہ ایسی چیزوں کا جنون کی حد تک شوق ہے۔ اس لیے وہ مجھے ساتھ لے کر اس سوداگر تک پہنچ گئے۔"

"ہوں! تو یہ بات ہے.... اور آپ کو اس سوداگر کا نام یاد رہ گیا۔"

"بس اسے ایک اتفاق ہی سمجھو۔" انہوں نے کہا۔

"لیکن ابا جان! مسٹر شاردا کا بھیجا ہوا آدمی اب تک آیا کیوں نہیں اور سوال یہ ہے کہ وہ آدمی بھلا کیا بتائے گا۔"

"شاردا کیران سے تنہا تو آیا نہیں ہوگا، وہ کیران کے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر آیا ہو گا، چنانچہ وہ ان میں سے کسی ایک کو ہمارے پاس بھیج رہا ہے، رہا یہ سوال کہ وہ اب تک آیا کیوں نہیں، تو یہ ایسی کوئی بات نہیں، آنے میں دیر ہو جانا کوئی عجیب بات تو نہیں، راستے میں گاڑی بے کار ہو سکتی ہے، ٹائر پنکچر ہو سکتا ہے، گھر سے چلنے میں دیر ہو سکتی ہے۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آنے والے کو اس وقت بھوک لگ رہی ہو اور اس نے سوچا ہو کہ پرائے گھر پتا نہیں کچھ کھانے کو ملے گا یا نہیں، لہٰذا کیوں نہ کچھ کھا کر جایا جائے۔" فاروق نے کہا۔

"دھت تیرے کی...." محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"اس وقت مجھ پر جھنجھلانے کا کونسا موقع تھا۔" فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

"خاموش بھی تو رہ سکتے تھے، آخر کیوں بول پڑے تم۔"

"معاف کرنا، مجھ پر پابندی نہیں لگائی گئی تھی، ہاں تو ابا جان آپ کیا کہہ رہے تھے۔"

"میں...." انہوں نے کچھ کہنا چاہا، اسی وقت دروازے

پر دستک ہوئی، انھوں نے مسکرا کر کہا۔

"میں کہنا یہ چاہ رہا تھا کہ جاؤ، مسٹر شاردا کا آدمی آگیا ہے۔ اُسے جا کر اندر لے آؤ۔"

"لیکن ابا جان! جہاں تک میرا خیال ہے یہ انکل اکرام ہیں، دستک دینے کا یہ انداز ان کا ہے۔"

"چلو خیر، اکرام ہی سہی، دروازہ تو کھولنا ہی ہوگا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے اور محمود نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا، وہاں واقعی اکرام کھڑا تھا:

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" اس نے اندر آتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہوں، سناؤ کیا رہا۔"

"ہسپتال میں منگو خان نے بھی دم توڑ دیا ہے، وہ کچھ بتائے بغیر ہی مر گیا...... اب دونوں قاتل مر گئے ہیں تو میں کسے تلاش کروں۔" اکرام نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔ انہیں اس کی بات پر ہنسی آگئی۔

"ابھی ہمیں کالا طوفان کو تلاش کرنا ہے، اصل کام تو یہی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن جناب! اس کے بارے میں تو کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔"

"یہیں ٹھہرو، ابھی معلوم ہو جائے گا اور پھر تم اور محمود، فاروق اور فرزانہ اس کی تلاش میں نکل سکو گے۔"

"جی! کیا مطلب؟" اکرام نے چونک کر کہا۔

"بھئی ابھی تھوڑی دیر تک یہاں ایک آدمی آنے والا ہے، وہ ہمیں کالا طوفان کے بارے میں تفصیل سے سنائے گا۔"

"اوہو، تو کسی ایسے آدمی کا سراغ مل گیا ہے۔"

"ہاں!" یہ کہہ کر انھوں نے ایک بار پھر مسٹر شاردا کے نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف سے کسی نے کہا:

"یہ مسٹر شاردا کی رہائش گاہ ہے.....آپ کس سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"مسٹر شاردا سے۔"

"بہت بہتر! میں ابھی انہیں بلاتا ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر ریسیور رکھنے کی آواز سنائی دی.... جلد ہی انھوں نے شاردا کی آواز سنی:

"ہیلو انسپکٹر صاحب! فرمائیے، اب کیا حکم ہے۔"

"بھئی وہ آپ کے بھیجے ہوئے آدمی تو اب تک نہیں پہنچے۔"

"کیا کہا.... اب تک نہیں پہنچا، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"خدا جانے یہ کیسے ہو سکتا ہے، وہ یہاں سے کس وقت چلے تھے۔"

"تقریباً پندرہ منٹ پہلے، اس وقت تک انہیں یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔" شاردا نے کہا۔

"حیرت ہے، خیر ہم کچھ اور انتظار کر لیتے ہیں، ہاں .... ان کا نام اور حلیہ کیا ہے؟"

"اس کا نام جودی رضا ہے، بوڑھا سا آدمی ہے، سفید رنگ، چہرے پر سفید ڈاڑھی اور آنکھوں پر نظر کا چشمہ .... بس یا کچھ اور بتاؤں؟" شاردا نے پوچھا۔

"اتنا حلیہ ہی کافی رہے گا۔" انسپکٹر جمشید بولے اور ریسیور رکھ دیا۔

"عجیب بات ہے، آخر وہ اب تک کیوں نہیں پہنچا؟" وہ بڑبڑائے۔

"جناب! میرے خیال میں تو یہ کیس اب ختم ہو چکا ہے۔" اکرام نے نئی بات کہی۔

"وہ کیسے؟" انسپکٹر جمشید چونکے، کیونکہ یہ ایک بالکل نیا خیال تھا۔

"جہاں تک میں سمجھتا ہوں، رؤف کیرانی کو کسی شخص نے کالا طوفان کی آڑ میں ختم کرنا یا یہاں سے بھگانا چاہا تھا... شاید یہ کام کسی کاروباری رقیب کا ہو، اس نے ان کے پیچھے دو بدمعاش شانکا اور منگو خان لگا دیے اور اس کوشش میں وہ خود بھی ہلاک ہو گئے۔"

"لیکن اگر یہ کسی فرضی کالا طوفان کا کام ہے تو تب تو انہیں

رؤف کیرانی کو ختم کرنے کے بعد خاموش بیٹھ جانا چاہیے تھا، لیکن انہوں نے کیا یہ کہ میرے ہاتھ سے لفافہ اڑا لیا، جس میں رؤف کیرانی نے کالا طوفان کی کہانی لکھی تھی .... یہی نہیں جب شانکا ہمارے ہاتھوں بہت زخمی ہو گیا تو اسے بھی ختم کر دیا گیا، منگو خان اپنے ہی ہاتھوں مارا گیا،، اگر یہ کسی فرضی کالا طوفان کا کام ہے تو پھر انہیں لفافے کے لیے بھاگ دوڑ کرنے کی کیا ضرورت تھی، پھر تو اسے بالکل آرام سے بیٹھ جانا چاہیے تھا۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔ ان کی باتیں وزنی تھیں، لہٰذا اکرام کوئی جواب نہ دے سکا....

"میرا خیال ہے ابا جان، ہمیں جودی رضا صاحب کی تلاش میں نکلنا چاہیے۔" فرزانہ نے تنگ آ کر کہا۔

"بات یہ بھی ٹھیک ہے، کیوں نہ ہم یہاں سے مسٹر شاردا کی رہائش گاہ تک چلیں۔" محمود نے کہا۔

"ٹھیک ہے اور اگر راستے میں بھی جودی رضا کہیں نہ ملے تو ہم شاردا صاحب کے ہاں ہی پہنچ جائیں گے، پھر انہی کی زبانی ساری کہانی سن لیں گے، کیوں کیا خیال ہے؟" فاروق بولا۔

"بہت ہی مناسب خیال ہے۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔ انتظار کرنے سے وہ بہت گھبراتی تھی۔

"لیکن اس طرح یہ کہانی میں .... نہیں سکوں گا۔" انسپکٹر جمشید

نے کہا۔ "جب کہ میں بھی اس کہانی کو جودی کی زبانی ہی سننا چاہتا ہوں۔"

"اوہ! تب تو انتظار ہی کرنا پڑے گا۔" فرزانہ مایوس ہو کر بولی۔

عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ وہ چونک اٹھے۔ محمود تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔

○

دروازہ کھولنے پر اسے شاردا کے بتائے ہوئے حلیے کا ایک آدمی نظر آیا۔ اس نے سکون کا سانس لیتے ہوئے پوچھا:

"آپ جودی رضا ہیں؟"

"ہاں! میرا نام یہی ہے، انسپکٹر جمشید اسی کمرے میں ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک پہنچے آپ، اندر تشریف لے آئیے۔"

جودی رضا اس کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ سب نے اس سے ہاتھ ملایا، یہ اگرچہ بوڑھا آدمی تھا، لیکن تھا اچھے قد اور قامت کا مالک۔ جب وہ اطمینان سے بیٹھ گیا تو انسپکٹر جمشید بولے:

"سب سے پہلے تو ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کو اتنی دیر کیوں لگ گئی.... کیونکہ ہم بہت پریشان رہے ہیں۔"

"جی بس.... جس ٹیکسی میں بیٹھا، وہ راستے میں خراب ہو گئی.... پہلے تو ڈرائیور صاحب اسے ٹھیک کرنے کی کوشش کرتے رہے، پھر مجھے نیچے اتار دیا.... دوسری ٹیکسی کوشش کے باوجود نہ مل سکی، نتیجہ یہ کہ نصف راستے سے میں پیدل چلا آ رہا ہوں۔"

"اوہ! یہ تو بہت برا ہوا، لیکن مسٹر شاردا نے اپنی کار میں کیوں نہ بھیج دیا آپ کو؟"

"انہیں بھی کہیں جانا تھا.... لیکن مجھ سے آدھ گھنٹا بعد.... ورنہ میں ان کے ساتھ بھی یہاں آ سکتا تھا اور وہ مجھے یہاں اتار کر آگے چلے جاتے۔"

"آپ کا ان سے کیا تعلق ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"میں کیران سے ان کے ساتھ ہی آیا تھا.... نوادرات کی تجارت میں میں ان کا پارٹنر ہوں۔" اس نے بتایا۔

"اوہ! تو یہ بات ہے۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"تو آپ کالا طوفان کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں؟" اس نے کہا۔

"جی ہاں.... اس کے بارے میں ہر وہ بات جو آپ بتا سکیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"لیکن پہلے یہ تو بتائیں.... یہ اتنے عرصے کے بعد اس کا نام کہاں سننے میں آ گیا؟" جودی رضا نے پوچھا۔

"یہیں اسی شہر میں ..... اسی سلسلے میں اب تک چار آدمی بھی مارے جا چکے ہیں۔" انہوں نے بتایا۔

"اوہو اچھا!" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں!" یہ کہہ کر انہوں نے تفصیل سنا دی۔ جودی رضا حیرت زدہ انداز میں سنتا رہا۔ آخر بولا:

"کالا طوفان کا ہنگامہ آج سے پچیس سال پہلے کیران میں ہوا تھا۔ وہ ایک غیر ملکی تھا۔ کیران میں آنکلا۔ پھر اس نے اپنے گرد ایک بہت بڑا گروہ اکٹھا کر لیا۔ اس کے آدمیوں کے پاس غیر ملکی اسلحہ نظر آنے لگا۔ وہ ادھر ادھر لوٹ مار کرنے لگا۔ اس کے حملوں میں شدت آتی چلی گئی۔ حکومت نے اسے گرفتار کرنے کی بہت کوشش کی، لیکن اس سے زیادہ کچھ نہ ہو سکا کہ اس کے ایک آدھ آدمی کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس آدمی کی زبان بھی حکومت نہ کھلوا سکی۔ اس کا ہر آدمی صرف ایک ہی نعرہ لگاتا تھا..... کالا طوفان ایک ایسا طوفان ہے جو ایک دن اس پوری حکومت کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اس کے گروہ کے لوگ اس پہ جان دار ناپسند کرتے تھے، لیکن اس کے بارے میں کچھ بتانا انہیں گوارا نہ تھا۔ حکومت کی پریشانی میں اضافہ ہونے لگا، کالا طوفان کی خبریں غیر ملکی اخبارات میں بھی شائع ہونے لگیں۔ کیران کی حکومت کا خوب مذاق اڑا۔ آخر حکومت تنگ

آ گئی۔ اس نے اپنے دوست ملک کے ایک نامی گرامی جاسوس کی خدمات حاصل کیں۔ اس جاسوس کا نام جارڈن لا تھا۔ یہ بہت تیز طرار اور ذہین آدمی تھا۔ اس نے اپنے میک اپ میں ایک اور آدمی کو حکومت کی طرف روانہ کر دیا۔ حکومت اسے جارڈن لا سمجھی۔ اس نے کالا طوفان کا سراغ لگانے کا کام شروع کیا، لیکن یہ کام دراصل دکھاوا تھا..... اصل میں تو وہ کاٹھ کا اُلو تھا۔ کاٹھ کا یہ اُلو اوٹ پٹانگ کام کرتا رہا، اپنے عجیب و غریب آلات کی مدد سے کالا طوفان کا سراغ لگانے کی کوشش کرتا رہا۔ ادھر اصل جورڈن میک اپ میں کسی کو اطلاع دیئے بغیر کیران پہنچا..... کاٹھ کے اُلو کو کم از کم اس کا پروگرام ضرور معلوم تھا، چنانچہ پروگرام کے مطابق جورڈن کالا طوفان کے روپ میں کاٹھ کے اُلو کے سامنے آ گیا اور اس نے یہ اقرار کر لیا کہ وہی کالا طوفان ہے..... بس پھر کیا تھا، اخبارات میں سرخیاں جم گئیں، کالا طوفان کو گرفتار کر لیا گیا۔ ہر طرف شور مچ گیا، لوگ خوشی کے نعرے لگانے لگے۔ ادھر اصل کالا طوفان حیران تھا کہ پولیس نے کسے پکڑ لیا، یہ دوسرا کالا طوفان کہاں سے آ گیا۔ آخر اس نے ایک روز اس تھانے پر حملہ بول دیا جس میں نقلی کالا طوفان یعنی اصل جورڈن قید تھا..... اس حملے میں تھانے کے بہت سے کانسٹیبل اور ایک سب انسپکٹر ہلاک ہو گیا، باقی جان بچا کر

بھاگ گئے۔ کالا طوفان نے حوالات کا تالا توڑ ڈالا اور نقلی کالا طوفان کو لے بھاگا۔ اپنے اڈے پہ پہنچ کر اس نے نقلی کالا طوفان سے پوچھا:

"تو تم ہو کالا طوفان۔"

"میں کیوں ہوتا.... پولیس نے مجھے زبردستی کالا طوفان بنا دیا ہے، تصویریں اتار کر اخبارات میں دے دی ہیں، ورنہ میرے تو فرشتوں کو بھی معلوم نہیں کہ کالا طوفان کون ہے۔"

"ادھر میری طرف دیکھو، میں ہوں کالا طوفان.... تم جیسے چوہے بھلا کالا طوفان ہو سکتے ہیں۔"

"ارے باپ رے..... تو آپ ہیں کالا طوفان.... واقعی..... آپ کالا طوفان نظر آتے ہیں۔" جورڈن لا نے کانپ کر کہا۔

"اب تم بتاؤ، دراصل تم کون ہو اور پولیس نے میرے روپ میں تمہیں گرفتار کرنے کا ڈھونگ کیوں رچایا ہے۔" کالا طوفان نے پوچھا۔

"ایک منٹ جناب...." فرزانہ درمیان میں بول اٹھی۔ جودی نے اسے حیران ہو کر دیکھا، فرزانہ نے فوراً کہا:

"جناب! آپ تو ان کے درمیان ہونے والے مکالمے اس طرح دہرا رہے ہیں جیسے اپنے کانوں سے سن چکے ہوں، کیا یہ عجیب بات نہیں ہے۔"

"ہاں! یہ عجیب بات ہے اور جب یہ ہنگامہ ہوا تھا، اس وقت یہ مکالمے بچے بچے کی زبان پر تھے.... کیونکہ جورڈن لا نے پوری تفصیل سے عوام کو سنائے تھے اور لوگ ان جملوں کو سن کر بہت خوش ہوئے تھے۔" اس نے بتایا۔

"بہت خوب! اب بات سمجھ میں آ گئی۔ مہربانی فرما کر اپنی کہانی جاری رکھیے۔" فرزانہ نے مطمئن انداز میں کہا۔

"شکریہ!" جودی نے کہا اور پھر کہانی سنانے لگا۔

"کالا طوفان کا سوال سن کر جورڈن لا نے جواب میں کہا:

'میں ایک بہت ماہر قفل ساز ہوں جناب.... ایک گھر کا قفل توڑ رہا تھا کہ دو کتوں نے مجھے گھیر لیا، بس یہی میری کمزوری ہے کہ کتوں سے بہت گھبراتا ہوں.... میری سٹی گم ہو گئی اور میں دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا، یہاں تک کہ گھر کے لوگ میرے گرد جمع ہو گئے اور پھر انہوں نے پولیس کو فون کر دیا.... بس مجھے گرفتار کر لیا گیا....... کوئی غیر ملکی جاسوس انہوں نے بلا رکھا ہے ان دنوں.... نام اس کا جورڈن ہے.... اسے آپ کو گرفتار کرنے کے لیے بلایا گیا ہے، بس اس نے مجھے گرفتار کرتے ہی چیخ کر کہہ دیا کہ میں نے کالا طوفان کو گرفتار کر لیا ہے، کالا طوفان کو گرفتار کر لیا ہے، پھر کیا تھا، ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا میرے گرد، پولیس کے سپاہی ناچنے لگے.... اب میں

کیا کرتا، لاکھ چیخا، بھائیوں میں کالا طوفان ہرگز نہیں ہوں، کالا
تو کیا سفید بھی نہیں ہوں، لیکن انہوں نے میری ایک نہ سنی،
نقار خانے میں طوطی کی آواز سنتا بھی کون ہے، چنانچہ مجھے حوالات
میں دھکیل دیا گیا، اخبارات میں خبریں شائع کرا دی گئیں، اب
آپ ہی بتایئے، میرا اس میں کیا قصور، لیکن جناب کالا طوفان
صاحب.... یہ تو بتایئے، رنگ تو آپ کا گورا چٹا ہے، پھر آپ
نے اپنا نام کالا طوفان کیوں رکھا؟"

"اس لیے کہ لوگ کالے طوفان سے ڈرتے ہیں، جب سیاہ
آندھی آتی ہے تو گھروں میں چھپ جاتے ہیں، لیکن سفید طوفان کو
کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا" کالا طوفان نے کہا، پھر کچھ سوچ
کر بولا،

"سنو! کیا تم میرے گروہ میں شامل ہونا پسند کرو گے؟"

"آپ کے گروہ میں، لیکن جناب میں بھلا آپ کے گروہ میں
شامل ہو کر کیا کروں گا؟" جورڈن لا نے کانپ کر کہا۔

"میرے گروہ میں کوئی ماہر قفل ساز نہیں ہے.... تم میرے
ساتھ عیش کرو گے....؟"

"اگر آپ کہتے ہیں تو یونہی سہی" جورڈن نے حامی بھر لی۔

اس طرح جورڈن کالا طوفان کے گروہ میں شامل ہونے
میں کامیاب ہوا، تالے توڑنے میں وہ واقعی بہت ماہر تھا۔

کالا طوفان اس کے کام سے خوش ہو گیا اور جلد ہی اسے اپنا
نائب بنا لیا، لیکن اس نائب نے ایک دن اسے اور اس کے
بے شمار ساتھیوں کو گرفتار کرا دیا.... کیونکہ وہ تو اصل جورڈن لا تھا،
غیر ملکی جاسوس، جسے کالا طوفان کو گرفتار کرنے کے لیے ہی بلایا
گیا تھا.... گرفتار کرانے کے بعد جب جورڈن لا اس کے سامنے آیا
اور اسے بتایا کہ دراصل وہ کون ہے تو کالا طوفان کا خون کھولنے
لگا، اس نے قسم کھائی کہ وہ جورڈن سے انتقام لے گا، جورڈن
ہنس دیا۔ اس کے خیال میں اب کالا طوفان جیل سے کس طرح بچ
کر نکل سکتا تھا۔ عدالت میں کالا طوفان نے صاف کہہ دیا کہ
وہ کالا طوفان نہیں ہے، جس طرح پولیس نے پہلے ایک شخص کو
کالا طوفان کہہ دیا تھا، اسی طرح اب کہہ رہی ہے۔ عدالت نے
اس کے اعتراض کو مانتے ہوئے سرکاری وکیل سے کہا کہ وہ ثبوت
پیش کرے کہ کالا طوفان یہی ہے،

کالا طوفان کے ساتھ جورڈن اس کے بہت سے آدمی بھی
گرفتار کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا، سرکاری وکیل نے ان میں
سے کئی کو وعدہ معاف گواہ بنا لیا.... انہوں نے سوچا، جیل
جانے کی بجائے کیوں نہ کالا طوفان کے خلاف گواہی دے دی جائے،
چنانچہ انہوں نے عدالت میں یہ بیان دیا کہ یہی شخص کالا طوفان
ہے اور ثبوت اس بات کا یہ ہے کہ اس کے دائیں کندھے پر

کالا طوفان ایک انمٹ سیاہی سے لکھا ہوا ہے.... یہ سیاہی گروہ کے ہی ایک آدمی نے بنائی تھی اور اس نے تجویز پیش کی تھی کہ گروہ کا ہر آدمی اس سیاہی سے اپنے دائیں کندھے پر نام لکھوائے، سب نے اسے منظور کیا تھا، یہاں تک کہ کالا طوفان نے بھی.... طریقہ لکھنے کا یہ تھا کہ پہلے سیاہی سے نام لکھا جاتا تھا اور پھر لوہے کا ایک ٹکڑا آگ میں سرخ کر کے اس پر رکھ دیا جاتا تھا، لوہے کے ٹکڑے سے نہ داغنے کی صورت میں سیاہی انمٹ نہیں تھی، سب نے اس طرح اپنا نام لکھوایا.... کالا طوفان نے بھی لکھوایا.... پھر تو یہ رسم ہی بن گئی، جو بھی نیا آدمی گروہ میں شامل ہوتا، اسے پہلے اپنا نام گدوانا پڑتا۔" یہاں تک کہہ کر جودی سانس لینے کے لیے رکا، اسی وقت محمود نے سوال کیا۔

"تو کیا جورڈن لا کو بھی اپنا نام لکھوانا پڑا تھا؟"

"ہاں! اچھا سوال ہے..... اسے بھی لکھوانا پڑا تھا، لیکن اس نے جورڈن لا نہیں لکھوایا تھا، بلکہ الماس طور لکھوایا تھا۔ ظاہر ہے، جورڈن کے نام سے تو کالا طوفان واقف ہی تھا۔" اس نے کہا۔

"اچھا خیر.... آگے چلیے، کہانی واقعی بہت دلچسپ ہے۔"

"بس! اب تو کہانی ختم ہو گئی۔ اس کے کچھ ساتھیوں نے جب

یہ گواہی دے دی کہ وہی کالا طوفان ہے اور اس کے کندھے پر لکھا ہوا نام بھی مل گیا تو عدالت نے اسے عمر قید کی سزا سنا دی.... فیصلہ سننے کے بعد عدالت کے کٹہرے میں ہی کالا طوفان نے بلند آواز میں قسم کھائی کہ وہ ان تمام ساتھیوں سے انتقام لے گا جنھوں نے اس کے خلاف گواہی دی ہے، وہ انھیں زندہ نہیں چھوڑے گا، اس وقت کسی نے اس کی قسم سے کوئی اثر نہ لیا، لیکن ایک دن وہ اچانک جیل سے بھاگ نکلا تو ایسے تمام ساتھیوں کو فکر ہوا۔ وہ اسی وقت مختلف ملکوں کو بھاگ گئے.... یہ آج سے پچیس سال پہلے کی کہانی ہے..... میں نے آج پچیس سال بعد کالا طوفان کا نام سنا ہے۔" یہ کہہ کر جودی رضا خاموش ہو گیا۔

"اس کا مطلب ہے، کالا طوفان، اب تک اپنے ان ساتھیوں سے انتقام لے رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولا۔

"یہاں کے واقعات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔" اس نے کہا

"تو.... تو کیا شازیہ کے ابو پہلے کالا طوفان کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے؟" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"ہیں تو وہ کیران کے ہی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ابھی ان کی لاش مردہ خانے میں موجود ہو گی، کیوں نہ ان کے کندھے پر لکھا ہوا نام دیکھا جائے؟" محمود بولا۔

"اگرچہ اب اس سے کوئی فائدہ نہیں، تاہم یہ یقین کرنے کے لیے دیکھ لیتے ہیں کہ کیا واقعی کالا طوفان اب تک انتقام کے راستے پر چل رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور پھر سرجن کو فون کیا۔ پھر چند لمحے تک دوسری طرف کے جواب کا انتظار کرتے رہے، آخر انہوں نے ریسیور رکھتے ہوئے ان سے کہا:

"رؤف کیرانی کے کندھے پر نام موجود ہے، لیکن وہ نام رحیم باف ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

چند لمحے خاموشی کے عالم میں گزر گئے۔ ان کے لیے یہ انکشاف کافی تکلیف دہ تھا کہ شازیہ کے والد کسی زمانے میں کالا طوفان کے ساتھی رہ چکے ہیں۔ تاہم اس میں غریب شازیہ کا کیا قصور تھا۔

"شازیہ کو یہ بات معلوم نہ ہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن ابا جان! ہم اسے اخبارات کے مطالعے سے کس طرح روک سکتے ہیں۔" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں، دیکھا جائے گا۔" انہوں نے کہا۔

"اب میرے لیے کیا حکم ہے جناب.... کیا مجھے اجازت ہے؟" جودی رضا نے کہا۔

"آپ نے بہت زحمت کی، ٹھہریے! میرا لڑکا آپ کو موٹر سائیکل پر چھوڑ آتا ہے، کیونکہ پہلے ہی آپ تکلیف اٹھا چکے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی شکریہ! آپ تکلیف نہ کریں، میں چلا جاؤں گا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے محمود .... تم ان کے ساتھ جاؤ۔"
"جی بہت بہتر۔" اس نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔
جودی رضا اس کے ساتھ باہر نکل گیا۔
"سوال یہ ہے ابّا جان! اب ہم کالا طوفان کو کہاں تلاش کریں۔" فرزانہ نے ان کے جانے کے بعد کہا۔
"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ اگر میں زخمی نہ ہو گیا ہوتا تو میں بہت جلد اسے گرفتار کر سکتا تھا۔" انہوں نے کہا۔
"وہ کیسے ابّا جان!"
"میں کوئی چال چلتا .... خیر کوئی بات نہیں، جہاں تک میرا خیال ہے، اب اس ملک میں کالا طوفان کا کوئی شکار موجود نہیں، اس لیے ہو سکتا ہے، وہ یہاں سے خاموشی سے واپس چلا جائے۔" انہوں نے کہا۔
"تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم اسے گرفتار نہ کریں اور وہ یہاں سے چلا جائے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔
"نہیں میں اسے گرفتار کرنا پسند کروں گا .... اکرام تم ایک کام کرو ....." وہ اس کی طرف مڑے:
"جی فرمائیے۔" اس نے فوراً کہا۔
"پہلے تو جا کر شانکا اور منگو خان کے کندھوں کا جائزہ لو کہ وہاں ان کے نام گُدے ہوئے ہیں یا نہیں اور پھر یہ معلوم

کرنے کی کوشش کرو کہ یہ شانکا اور منگو خان ہمارے ملک میں کہاں سے ٹپک پڑے .... شاید اس طرح ہمیں کوئی سراغ مل جائے۔"
"جی بہتر! میں ابھی جاتا ہوں۔ کندھوں پر نشانات دیکھنے کے بعد میں پاسپورٹ آفس وغیرہ میں تحقیقات کروں گا ..."
"ٹھیک ہے۔" انہوں نے کہا۔
اکرام اٹھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھایا اور کان سے لگاتے ہوئے بولے:
"انسپکٹر جمشید پلیز۔"
"ہیلو جمشید میں نثار احمد بول رہا ہوں۔" ان کے ڈی آئی جی کی آواز سنائی دی۔
"اسلام علیکم سر ....." انہوں نے مسکرا کر کہا۔
"تمہارے زخمی ہونے کی اطلاع خان رحمان سے ملی .... بہت افسوس ہوا، تم نے مجھے فون کیوں نہیں کیا۔" ان کے لہجے میں شکایت تھی۔
"آپ کو پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔"
"لیکن مجھے افسوس ہے، میں تمہیں پریشان کر رہا ہوں۔"
"جی۔ کیا مطلب؟" انہوں نے چونک کر کہا۔
"ایک اور شخص کو کالا طوفان کی دھمکی ملی ہے .... اس

نے اسے فون پر کہا ہے کہ آج رات کے اندر اندر وہ انہیں
ختم کر دے گا۔"

"اوہ! اور وہ کون ہے؟"

"رابات احسن.... میرے ایک دوست کا دوست ہے....
اس کے لیے کیا کر سکتے ہو؟"

"ان سے کہہ دیں، کسی طرح میرے پاس پہنچ جائیں، پھر
میں دیکھوں گا کہ کیا کر سکتا ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"اچھی بات ہے، میں دیکھتا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے
سلسلہ کاٹ دیا۔ انسپکٹر جمشید فاروق اور فرزانہ کی طرف مڑے:

"لو بھئی.... کالا طوفان کا کام ہمارے ملک میں ابھی تک
ختم نہیں ہوا.... ابھی اس کا کم از کم ایک شکار اور موجود
ہے اور وہ ہے رابات احسن..... شاید وہ یہاں آ جائے۔"

"یہ تو اور اچھا ہے، ہمیں کالا طوفان کو گرفتار کرنے
کا ایک موقع مل رہا ہے۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔" وہ بولے۔

اسی وقت پھر فون کی گھنٹی بجی۔ فون اس بار بھی
ڈی آئی جی صاحب کا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے:

"جمشید! رابات احسن دو سادہ لباس والوں کے ساتھ تمہارے
پاس آ رہا ہے.... اب تم جانو، تمہارا کام۔"

"بہت بہتر! ان کے یہاں پہنچنے کے بعد میں آپ کو اطلاع دے
دوں گا۔" وہ بولے۔

"ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر نثار احمد خان نے ریسیور رکھ دیا۔

ابھی پندرہ منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ دروازے پر دستک
ہوئی، فاروق نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو وہاں ایک ادھیڑ عمر
کے آدمی کو کھڑا پایا۔ اس کے دائیں بائیں دو سادہ لباس والے
بھی موجود تھے۔ تینوں اندر داخل ہو گئے۔

"آپ رابات احسن ہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"ہاں! میں بہت شرمندہ ہوں کہ اس حالت میں آپ کو
زحمت دینے یہاں پہنچ گیا۔"

"پروا نہ کریں۔" وہ بولے۔

"ہمارے لیے کیا حکم ہے جناب؟" ایک سادہ لباس والے نے کہا۔

"آپ لوگ واپس چلے جائیں اور ہاں! آپ کے پاس پستول
تو ہوں گے؟"

"جی ہاں! موجود ہیں۔"

"آپ دونوں پستول مجھے دے دیں، میں ان کی رسید لکھے دیتا
ہوں، کیونکہ اس وقت گھر سے پستول منگوانا کچھ مناسب نہیں۔"

"کوئی بات نہیں جناب!" ایک نے کہا اور دونوں نے پستول نکال
کر انہیں دے دیے۔ انسپکٹر جمشید نے انہیں چیک کیا اور رسید

لکھ کر دے دی۔ اس کے بعد وہ چلے گئے۔ ابھی رابات احسن اطمینان سے بیٹھ بھی نہیں پائے تھے کہ محمود نے آ دروازہ کھٹکھٹایا:

" محمود کے لیے بھی دروازہ کھولو، لیکن اطمینان کر لینا " وہ مسکرائے۔

" جی بہت بہتر!" فاروق نے کہا اور دروازے پر پہنچا۔

" ہیلو محمود..... یہ تم ہی ہو نا....؟"

" ہاں! یہ میں ہی ہوں، دروازہ کھولو۔"

" میرا مطلب ہے، تم بالکل اصلی والے محمود ہو نا، نقلی تو نہیں ہو۔"

" نہیں! دروازہ کھولو۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

" تمہارے آس پاس، دائیں بائیں کوئی اور تو موجود نہیں۔" فاروق بولا۔

" تم دروازہ کھولتے ہو یا نہیں۔" محمود نے تلملا کر کہا۔

" کھولتا ہوں، کیونکہ مجھے یقین ہو گیا ہے، باہر کوئی گڑبڑ نہیں۔" یہ کہہ کر اس نے دروازہ کھول دیا۔

" یہ کیا بدتمیزی تھی۔" محمود نے جھنا کر کہا۔

" بدتمیزی نہیں، یہ اطمینان تھا، جو کیا گیا اور ایسا کرنے کے لیے ابّا جان نے ہی کہا تھا۔" فاروق بولا۔

" ہاں محمود! میں نے ہی اسے اطمینان کرنے کے لیے کہا تھا، تم کوئی خیال نہ کرو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

" بہت بہتر ابّا جان! اگر آپ یہ بتا دیتے تو اس وقت میں اس سے بھڑ چکا ہوتا۔" محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

" اور تم بے فکر رہو، میں بھی تم سے کمزور ثابت نہ ہوتا۔"

" محمود..... ختم کرو..... ان سے ملو، یہ ہیں رابات احسن۔" اس کے ساتھ ہی انہوں نے اسے بتا دیا دیا کہ وہ کس سلسلے میں یہاں آئے ہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا۔

" جودی رضا خیریت سے مسٹر شاردا کے گھر پہنچ گئے۔"

" جی ہاں، لیکن وہ حد درجے خوف زدہ تھے۔" محمود نے بتایا۔

" کیوں! انہیں خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت۔" انسپکٹر جمشید چونکے۔

" ان کا خیال ہے، اگر کالا طوفان کو یہ پتا چل گیا کہ اس کے بارے میں آپ کو میں نے تفصیل سنائی ہے تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

" تب تو انہیں یہاں سے جانا نہیں چاہیے تھا۔"

" میرے خیال میں تو ان کا خوف زدہ ہونا فضول ہے۔" فرزانہ بولی۔

" خیر! اگر کوئی خطرے والی ہوئی تو ہم انہیں یہاں بلا لیں

گے : انسپکٹر جمشید نے کہا اور پھر رابات احسن کی طرف متوجہ ہوئے :

" رابات صاحب ..... کالا طوفان آپ کا دشمن کیسے بنا ؟"

" میں نے اس کے خلاف عدالت میں گواہی دی تھی ۔" اس نے جواب دیا ۔

" تو کیا آپ بھی پہلے اس کے گروہ میں تھے ۔"

" جی ! یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ ۔" اس نے چونک کر کہا ۔

" گھبرایئے نہیں ، مجھے سب حالات معلوم ہیں ، عدالت آپ کو رہا کر چکی ہے اور آپ بھی پچھلی زندگی سے توبہ کر چکے ہیں ، یہ معاملہ ہے بھی ایک دوسرے ملک کا ، اس لیے آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ۔"

" تو پھر ٹھیک ہے ، میں اس کے گروہ میں شامل تھا ۔"

" پچیس سال گزر جانے کے بعد بھی اگر وہ آپ کے سامنے آ جائے تو کیا آپ اسے پہچان لیں گے ۔"

" جی ہاں ! کیوں نہیں ، بھلا اس کا چہرہ بھی کبھی بھلایا جا سکتا ہے ۔" رابات احسن نے کہا ،

" بہت خوب ! اگر وہ میک اپ میں آپ کے سامنے آ جائے تو ؟" انہوں نے پوچھا ۔

" اس صورت میں میں ہرگز نہیں پہچان سکوں گا ، کیونکہ وہ میک اپ کا بہت ماہر ہے ۔"

" آپ اس کا قد قامت اور حلیہ بتا دیں ، کیونکہ آپ تو اسے نزدیک سے دیکھتے رہے ہیں ۔"

" جی ہاں ! کیوں نہیں .... وہ ایک لمبے قد کا آدمی ہے ، اس کا چہرہ مثلث نما ہے ، یعنی تکونا ، بڑی بڑی خوفناک آنکھیں مضبوط ہاتھ پیر ، پچیس سال پہلے لڑائی بھڑائی کے کاموں میں بلا کا طاقتور تھا ، آج اس کی کیا حالت ہو گی ، کچھ کہہ نہیں سکتا ۔"

اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی ۔ انسپکٹر جمشید نے فوراً ریسیور اٹھایا ۔

" انسپکٹر جمشید پلیز ۔" انہوں نے کہا ۔

" انسپکٹر صاحب .... یہ میں ہوں جودی رضا ، آپ نے مجھے کس مصیبت میں گرفتار کرا دیا ..... مسٹر شاردا گھر نہیں ہیں ، میں یہاں تنہا ہوں ، دروازے بند کیے بیٹھا ہوں اور باہر کالا طوفان موجود ہے ۔"

" کیا کہا .... باہر کالا طوفان موجود ہے ۔" انسپکٹر جمشید تقریباً چلائے ۔

" جی ہاں !"

" فکر نہ کریں ، آپ کی مدد کے لیے ابھی کچھ لوگوں کو روانہ کر رہا ہوں ۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور چند لمحے تک سوچ

میں کھوئے رہنے کے بعد ان سے بولے:

"تم تینوں اسی وقت مسٹر شاردا کے گھر کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ جودی رضا کا کہنا ہے کہ وہ گھر میں بند بیٹھا ہے اور باہر کالا طوفان موجود ہے.... یہ ایک عجیب ترین بات ہے، لیکن جودی رضا ہماری وجہ سے اس مصیبت میں پھنسا ہے، اس لیے اڑ کر اس کی مدد کو پہنچو، ادھر میں حوالدار محمد حسین آزاد اور چند کانسٹیبلوں کو روانہ کرتا ہوں، جلدی کرو۔"

"بہت بہتر ابا جان!" تینوں نے ایک ساتھ کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے، انسپکٹر جمشید فون کے نمبر گھمانے لگے.... تینوں کے نکلنے کے بعد انہیں کچھ خیال آیا:

"مسٹر رابات احسن، دروازہ اندر سے بند کر لیں۔"

"جی بہتر!" رابات احسن نے کہا اور دروازہ بند کرنے کے لیے اٹھا، لیکن پھر اس کے قدم فرش پر جم کر رہ گئے۔

○

تینوں مسٹر شاردا کے گھر کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔ موٹر سائیکلیں انہوں نے کچھ فاصلے پر کھڑی کر دی تھیں۔ پہلے تو انہوں نے سرسری انداز میں کوٹھی کے ارد گرد ایک چکر لگایا، جب کوئی عجیب بات نظر نہ آئی تو محمود نے آگے بڑھ کر دروازے کو

دھکیلا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اب انہوں نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ چند لمحے بعد قدموں کی چاپ سنائی دی:

"ہیلو.... ارے آپ لوگ.... خیر تو ہے۔" جودی رضا نے دروازہ کھولتے ہوئے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"تو وہ فون آپ نے نہیں کیا تھا۔" فرزانہ نے فکر مند ہو کر کہا۔

"کون سا فون۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"مسٹر شاردا کہاں ہیں۔" فاروق نے پوچھا۔

"وہ کہیں باہر گئے ہیں، آخر بات کیا ہے۔"

"ابھی ابھی ہمارے والد صاحب کو ایک فون موصول ہوا تھا، فون کرنے والے نے اپنا نام جودی رضا بتایا تھا، اس نے کہا تھا کہ مسٹر شاردا گھر میں نہیں ہیں، میں دروازے اندر سے بند کیے بیٹھا ہوں اور باہر کالا طوفان موجود ہے، چنانچہ ہم آپ کی مدد کے لیے دوڑتے آتے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے دھوکا کیا ہے اور گڑبڑ یہاں نہیں، بلکہ اب گڑبڑ ہسپتال کے کمرے میں ہوگی، ہمیں فوراً واپس چلنا چاہیے..... مسٹر جودی.... پولیس کے کچھ لوگ بھی یہاں پہنچنے والے ہیں، انہیں ساری بات بتا کر ہسپتال بھیج دیجیے گا۔"

"اچھی بات ہے، اب تو مجھے بھی ڈر لگنے لگا ہے، اس نے

خوف زدہ لہجے میں کہا اور پھر بولا:

"لیکن میں انہیں یہ بات بتانے کے لیے دروازہ نہیں کھولوں گا.... بند دروازے میں سے ہی بتا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے، یہ آپ اچھا کریں گے۔" محمود نے کہا اور تینوں تیزی سے مڑے۔ تقریباً دوڑتے ہوئے موٹر سائیکلوں تک پہنچے اور ان پر بیٹھ کر آندھی اور طوفان کی طرح روانہ ہو گئے۔

"یار یہ کالا طوفان تو واقعی کالا طوفان ثابت ہو رہا ہے۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"اور مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے اس وقت کالا طوفان ہسپتال کے کمرے میں موجود ہے۔" فرزانہ بولی۔

"خدا خیر کرے، ابا جان پہلے ہی زخمی ہیں۔"

"فکر نہ کرو، زخمی ہوتے ہوئے بھی وہ دشمنوں کے لیے کم خطرناک نہیں ہیں۔" محمود بولا۔

"مجھے تو بے چارے رابات احسن کی فکر کھائے جا رہی ہے..... وہ تو سوچ رہا ہو گا، یہاں آ کر میں بُرا پھنسا۔" فرزانہ نے کہا۔

"باتیں کرنے کی بجائے ہمیں جلد از جلد ہسپتال پہنچنا چاہیے۔" یہ کہہ کر محمود نے رفتار اور بڑھا دی۔

رات کا وقت تھا، سڑکیں سنسان ہو چکی تھیں، اس لیے وہ بغیر کسی جگہ رکے یا بریک لگائے بڑھتے چلے گئے۔ دروازے پر پہنچ کر محمود نے دباؤ ڈالا۔

دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے فوراً دروازے سے کان لگا دیے۔

کالا طوفان آتا ہے

رابات احسن نے دیکھا، ان کے سامنے ایک لمبے قد کا آدمی کھڑا تھا، لیکن اس کے چہرے پر نقاب تھا اور ہاتھ میں ایک پستول جس کی نالی کا رخ رابات اور انسپکٹر جمشید دونوں کی طرف تھا۔ انسپکٹر جمشید اس وقت فون کی طرف متوجہ تھے اور حوالدار محمد حسین آزاد سے بات کر رہے تھے۔ رابات کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی، ادھر نقاب پوش بھی بالکل خاموش کھڑا تھا۔ اندر آنے کے بعد اس نے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی تھی۔

"ہیلو محمد حسین آزاد.... تم فوراً...."

اس کے ساتھ ہی ان کی نظر نقاب پوش پر پڑی۔ اس نے غرا کر کہا۔

"فون پر کہہ دو انسپکٹر، کوئی بات نہیں ہے۔ آپ تھوڑی دیر بعد پھر فون کریں گے۔"

دوسری طرف سے محمد حسین آزاد ہیلو ہیلو کر رہا تھا۔

انہوں نے کہا۔

"ہاں محمد حسین.... کوئی بات نہیں ہے، میں ذرا ٹھہر کر فون کروں گا۔" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر نقاب پوش کی طرف مڑے:

"تم کون ہو دوست؟"

"حیرت ہے، تم اب تک نہیں سمجھے، یا پھر جان بوجھ کر انجان بن رہے ہو۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"تو کیا میں یہ سمجھوں کہ اس وقت کالا طوفان سے بات کر رہا ہوں۔"

"چلو شکر ہے، کچھ تو بات تمہاری سمجھ میں آئی، مجھے خوشی ہے کہ تم میری چال کو نہیں سمجھ سکے.... میں نے ہی جودی بن کر تمہیں فون کیا تھا.... تاکہ تم اپنے بچوں کو ادھر بھیج دو اور میں آسانی سے اپنا کام کر سکوں، ظاہر ہے، تم زخمی ہو اور بخوبی میرا مقابلہ نہیں کر سکتے، رہ گیا رابات.... تو اس بے چارے کی تو جان میری آواز سن کر ہی نکل گئی ہو گی.... اگرچہ یہ آواز اس نے پچیس سال بعد سنی ہو گی۔" وہ کہتا چلا گیا۔

"یہ پچیس سال بعد انتقام لینے کی تک سمجھ میں نہیں آئی۔"

"میرے خلاف گواہی دینے والے مختلف ملکوں میں فرار ہو گئے تھے۔ میں اس وقت سے ہی ان کی تلاش میں رہا ہوں،

زیادہ تر غداروں کو میں ٹھکانے لگا چکا ہوں مجھے اطلاع ملی
تھی کہ اس ملک میں بھی دو غدار موجود ہیں، چنانچہ میں یہاں
آگیا اور انہیں تلاش کرتا، آخر تلاش کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا
.... میرا پہلا شکار رؤف کیرانی تھا۔ اس نے بھاگ جانے کی کوشش
کی تھی اور ساتھ ہی وہ تمہیں میرے بارے میں ..... کچھ بتا چکا
تھا، لیکن میں نے اپنے دو وفا داروں کو پہلے ہی اس کی نگرانی
پر لگا رکھا تھا۔ انہوں نے تمہارے دفتر تک اس کا تعاقب کیا اور
پھر اسے ختم کر دیا۔ بعد میں انہوں نے تمہارے ہاتھ سے وہ
لفافہ بھی چھین لیا جو رؤف کیرانی تمہیں دے گیا تھا، اس میں
اس نے میرے سارے حالات تحریر کر دیے تھے۔ وہ حالات
تمہیں جودی رضا سے معلوم ہو ہی گئے ہیں، لہذا وہ لفافہ دوبارہ
حاصل کرنے کا مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ خیر.... یہاں سے فارغ
ہو کر میں جودی سے بھی حساب صاف کرنے جاؤں گا، اسے
بھی اس کی سزا ضرور ملنی چاہیے.... فی الحال تو مسٹر رابات حسن
تم تیار ہو جاؤ۔"

"نہیں نہیں باس.... ہم نے بہت وقت ایک ساتھ گزارا
ہے، اس کا تو کچھ خیال کرو۔" رابات نے لرزتے ہوئے کہا۔

"یہ خیال تو تمہیں اس وقت کرنا چاہیے تھا جب تم نے عدالت
میں میرے خلاف بیان دیا تھا۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"لیکن مجھے مار کر تمہیں کیا مل جائے گا۔" اس نے بدستور کانپتے
ہوئے کہا۔

"میری وہ قسم پوری ہو جائے گی جو میں نے بیس سال پہلے
کھائی تھی۔"

"لیکن مسٹر کالا طوفان! تم میری موجودگی میں اس پر فائر نہیں
کر سکتے.... میں قانون کا ایک محافظ یہاں موجود ہوں۔"

"قانون کے محافظ.... مگر بے بس.... تم اٹھ کر میرے مقابلے
میں نہیں آ سکتے.... میں یہ کام تمہاری آنکھوں کے سامنے کروں
گا۔" کالا طوفان نے کہا

"لیکن میں کہہ چکا ہوں کہ تم ایسا نہیں کر سکو گے۔" یہ کہتے
ہوئے انہوں نے بستر پر دائیں ہاتھ رکھے پستول کی نالی اس کی
طرف کر لی۔ دستے پر ان کا ہاتھ پہلے ہی موجود تھا۔

"بہت خوب! تو اس پستول کے بل بوتے پر تم یہ کہہ رہے
تھے، لیکن میں نے ایسے کھلونوں کی کبھی پروا نہیں کی.... شاید
جودی تمہیں یہ بتانا بھول گیا ہے کہ میں پستول کی گولی سے بچنے
کا بھی ماہر ہوں۔"

"وہ بھول بھی گیا تو کیا ہوا.... تم بھی تو شاید یہ نہیں
جانتے کہ میرا نشانہ بھی خطا نہیں جاتا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تو پھر رابات سے پہلے میں تم سے ہی کیوں نہ فیصلہ کر

لوں" یہ کہتے ہوئے اس نے اچانک انسپکٹر جمشید پر فائر جھونک دیا، عین اس وقت انسپکٹر جمشید نے بھی فائر کیا، دونوں گولیاں آپس میں ٹکرائیں اور فرش پر گر گئیں۔ کالا طوفان کے منہ سے نکلا:

"بہت خوب! زندگی میں پہلی بار برابر کی چوٹ سے واسطہ پڑا ہے، اب آئے گا مزا" یہ کہتے ہی اس نے دوسرا فائر کر دیا۔ ادھر سے بھی فوراً فائر ہوا، انجام وہی رہا۔

"اس طرح تو دونوں پستولوں کی گولیاں خالی ہو جائیں گی .... اور تم زخمی ہو انسپکٹر .... مجھ سے دست بدست جنگ نہیں کر سکو گے"

"میں کر لوں گا پیارے کالا طوفان" انسپکٹر جمشید طنزیہ لہجے میں بولے۔

"تو پھر یہ لو" اس نے تیسرا فائر کیا۔

دونوں پستولوں پر سائیلنسر فٹ تھے، اس لیے آواز کمرے سے باہر نہیں جا رہی تھی، رابات احسن کا بُرا حال تھا، تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس مرتبہ انسپکٹر جمشید نے گولی سے گولی نہیں ٹکرائی، بلکہ بستر سے نیچے گر کر خود کو بچایا تھا اور پھر وہ بستر کے نیچے رینگ گئے۔

"یوں کام نہیں چلے گا انسپکٹر .... مقابلے پر آئے ہو تو

پھر سامنے رہو، یوں تو میں رابات کو نشانہ بنا لوں گا" انسپکٹر جمشید کو فوراً غلطی کا احساس ہوا، نیچے سے نکل کر سامنے آ گئے اور بولے:

"اب میں نے اپنے مقابلے میں تمہاری ایک گولی زائد ضائع کر دی ہے۔ اب تم کیا کرو گے"

"کوئی بات نہیں، موقع ملا تو میں تمہاری دو گولیاں ضائع کر دوں گا" کالا طوفان نے کہا۔ رابات کا حیرت کے مارے بُرا حال تھا۔ شاید اس قسم کا مقابلہ اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔

ایک بار پھر گولیوں کا تبادلہ ہوا اور گولیاں آپس میں ٹکرا گئیں" ذرا نشانہ چوکنے کی دیر تھی، ان میں سے ایک یا دونوں کی لاشیں تڑپ رہی ہوتیں ....' اور پھر ایسے ہوا کہ کالا طوفان کے پستول میں صرف ایک گولی رہ گئی .... ایک بار پھر اس نے ٹریگر پر رکھی انگلی کو حرکت دی، ادھر انسپکٹر جمشید نے فائر کر دیا ..... لیکن اس بار کالا طوفان نے چال چلی تھی، اس نے فائر نہیں کیا تھا، بلکہ فرش پر گر کر خود کو ان کی گولی سے بچایا گیا تھا۔ اس طرح اس نے گولیوں کا حساب برابر کر دیا تھا، اب ایک ہی گولی انسپکٹر جمشید کے پستول میں رہ گئی تھی۔

"اب آئے گا مزا انسپکٹر .... ایک گولی تمہارے پستول میں

رہ گئی ہے اور ایک میرے پستول میں .... اب اگر گولی سے گولی ٹکرا گئی تو دونوں کے پستول تو ہوگئے خالی، رہ گئے ہمارے ہاتھ اور پیر .... تمہارا ایک بازو پہلے ہی بیکار ہے، لہٰذا میرا پلّہ بھاری رہے گا، تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ یہ گولی پہلے ہی اپنی کنپٹی پر مار لو، ایسا نہ ہو بعد میں پچھتانا پڑے۔"

"ارے تم فکر نہ کرو، آؤ .... فائر کرو۔" انسپکٹر جمشید ہنس کر بولے :

"آخر کالا طوفان نے فائر جھونک مارا، لیکن اس بار اس نے پھر دھوکا دیا تھا، اس نے فائر انسپکٹر جمشید پر نہیں، رابات احسن پر کیا تھا، لیکن اس وقت اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں جب انسپکٹر جمشید کے پستول سے نکلنے والی گولی اس گولی سے .... ٹکرا گئی۔

"لو انسپکٹر! اس بار تم کامیاب رہے، لیکن اب پستول میں گولی نہ تمہارے ہے، نہ میرے، اب تم کیا کرو گے، پہلے تو میں رابات کا گلا گھونٹوں گا اور اس کے بعد تمہاری باری آئے گی۔"

"مجھے افسوس ہے، تم ایسا نہیں کر سکو گے۔" انسپکٹر جمشید پرسکون آواز میں بولے۔

"کیوں .... کیوں نہیں کر سکوں گا۔"

"اس لیے کہ اتفاق سے میرے پاس ایک پستول اور ہے، اور اس میں بھی سات گولیاں ہیں، یہ دیکھو۔" انہوں نے دوسرا پستول اس کے سامنے کر دیا۔

کالا طوفان سکتے کے عالم میں رہ گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا، پھر ہنس کر بولا :

"تم اتنے بزدل نہیں ہو انسپکٹر کہ ایک نہتے آدمی پر پستول سے فائر کرو، پستول پھینک دو اور مجھ سے دست بدست جنگ کر لو۔"

"لیکن یہ تمہارا ہی تو کہنا ہے کہ میں زخمی بازو سے تمہارا مقابلہ نہیں کر سکوں گا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے، پھر بولے :

"لہٰذا اب تم ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

"مجھے افسوس ہے، میں نے یہ کام کبھی نہیں کیا۔" اس نے کہا۔

"تب پھر گولی تمہارے جسم کا رُخ ضرور کرے گی۔" انہوں نے کہا اور فائر کر دیا، لیکن دوسرا لمحہ ان کے لیے بھی چونکا دینے والا تھا گولی اس کے سینے سے لگ کر اچٹ گئی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے نیچے بلٹ پروف پہن رکھی ہے۔ اب انہیں معلوم ہوا کہ اس سے پہلے وہ اتنی دلیری سے کس طرح سے گولی سے گولی ٹکراتا رہا ہے۔ اسے تو گولی لگ جانے کا ڈر تھا ہی نہیں۔

اس کے ساتھ ہی کالا طوفان نے ایک قہقہہ لگایا.....
عین اس وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

○

دستک کی آواز نے کالا طوفان کے قہقہے کا گلا گھونٹ
دیا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے پہلے انسپکٹر جمشید اور پھر دروازے
کی طرف دیکھا:

"کیا خیال ہے اس وقت کون آگیا۔"

"یہ یا تو میرے اسسٹنٹ اکرام ہیں یا پھر میرے بچے،
دونوں صورتوں میں تم پھنس گئے ہو، ایک بات اور بتاتا چلوں
..... تم نے بے شک بلٹ پروف جسم پر پہن رکھے ہیں، لیکن
تم میرا نشانہ دیکھ چکے ہو، کیا میں تمہاری آنکھوں کا نشانہ نہیں
لے سکتا۔"

"ہاں ضرور لے سکتے ہو، لیکن میری آنکھوں کے اوپر بھی
کور موجود ہیں۔"

"خیر! اب تمہارے سامنے دو راستے ہیں۔ یا تو دروازہ کھول
کر آنے والوں کو اندر آنے دو، اس صورت میں ہم اپنا فیصلہ
آپس میں کر لیں گے، ورنہ باہر موجود میرے بچے یا میرا اسسٹنٹ
پولیس کو دروازے پر لے ہی آئیں گے..... پھنس تم دونوں

صورتوں میں چکے ہو۔"

"تم نے ابھی کالا طوفان کا کمال نہیں دیکھا....." یہ کہہ
کر وہ دروازے کی طرف مڑا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا،
ساتھ ہی اس نے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ دروازہ کھلتے ہی محمود
فاروق اور فرزانہ کی نظریں اس پر پڑیں۔ اسے ہاتھ اوپر اٹھائے
دیکھ کر وہ سمجھے کہ معاملہ ان کے ابا جان کے ہاتھ میں ہے،
چنانچہ اطمینان سے اندر آگئے، ساتھ ہی کالا طوفان نے کمرے
کے باہر چھلانگ لگائی۔

"ارے ارے..... پکڑو اسے۔" انسپکٹر جمشید چلائے۔ تینوں
اس کے پیچھے بھاگے۔ مگر وہ تو گویا چھلاوہ تھا، آن کی آن
میں ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ جب تینوں ہسپتال سے
باہر آئے تو کوئی شخص نہ تو دوڑتا نظر آیا اور نہ کوئی گاڑی
جاتی نظر آئی:

"مشکل ہے، ہمیں واپس یہ چلنا چاہیئے۔" فاروق نے کہا۔

"تم کم ہمت ہو، ہمارے پاس دو موٹر سائیکلیں ہیں.....
کم از کم ہم دو سڑکوں کو تو دور دور تک چیک کر ہی سکتے
ہیں۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"بالکل ٹھیک! تم دونوں فوراً روانہ ہو جاؤ، میں ابا جان
کو صورت حال بتاتی ہوں۔"

"تو کیا ہوا، میں تم سے تو کام لے سکتا ہوں۔" انہوں نے مسکرا کر کہا پھر کچھ سوچ کر بولے:

"میرا خیال ہے، اب ہمیں آرام کرنا چاہیے.... اس کی گرفتاری کا معاملہ صبح دیکھیں گے۔"

"ابا جان! یہ آپ کہہ رہے ہیں.... جب کہ ابھی جودی رضا خطرے میں ہے..... اور ادھر شازیہ اور خادم خطرے میں ہیں، ان کے ساتھ امی جان بھی، یہاں اس کمرے میں بھی رابات احسن موجود ہیں.... آخر وہ پھر بھی تو آ سکتا ہے۔" محمود نے فکر مند ہو کر کہا۔

"ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو، خیر، ہم رات کو آرام نہیں کریں گے، بلکہ کام کریں گے۔ اکرام، تم پولیس کی جیپ میں بیگم، شازیہ اور خادمہ کو یہاں لے آؤ، لیکن ذرا دھیان رہے..... کالا طوفان وار نہ کر جائے، امید تو نہیں کہ وہ یہاں سے مار کھا کر پھر کوئی وار کرے گا، ان لوگوں کو یہاں لانے کے بعد تم جودی رضا کو بھی یہاں لے آنا۔ کم از کم اس صورت میں ہم رات کا باقی حصہ ضرور آرام سے گزار سکیں گے۔"

"بہت خوب! یہ پروگرام مزے دار رہے گا۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"تو میں چلتا ہوں۔" اکرام نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

"اپنے لیے ہمیشہ آسان کام چنو گی۔" فاروق نے جھلا کر کہا اور موٹر سائیکل کی طرف دوڑا۔ محمود پہلے ہی اس طرف جا چکا تھا۔ فرزانہ نے واپس کمرے کا رخ کیا۔

پندرہ منٹ بعد دونوں کی واپسی ہوئی تو ان کے چہروں پر تھکن کے آثار صاف کہہ رہے تھے کہ ناکام لوٹے ہیں۔

"ہمیں افسوس ہے ابا جان....۔" انہوں نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں، اس میں قصور تمہارا نہیں، میرا ہے، جونہی اس نے دروازہ کھولا، مجھے چاہیے تھا، تمہیں خبردار کر دوں کیونکہ یہ بات میں جانتا تھا کہ میری گولی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے جو کچھ کمرے میں ہوا تھا، کہہ سنایا، تینوں حیران رہ گئے.... تھوڑی دیر بعد ہی اکرام آ گیا۔ اس نے بھی اپنی ناکامی کا اعلان کیا۔

"پروا نہ کرو، اب وہ ہاتھ سے بچ کر نہیں جا سکتا۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"جی! کیا مطلب.... بھلا آپ اسے کہاں تلاش کریں گے، آپ کو تو ڈاکٹر نے یوں بھی چلنے پھرنے سے منع کر دیا ہے۔"

"یہ کیس تو سانس لینے کی بھی مہلت نہیں دے رہا، حیرت ہے۔" محمود نے اس کے جانے کے بعد کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے کہا۔

"ہمارے ساتھ تو یہی ہوتا ہے، مہمانوں کے آنے سے پہلے کمرے کا فرش صاف کر دینا چاہیے، اس وقت تو یہ چاند ماری کا میدان نظر آ رہا ہے۔" یہ کہہ کر فرزانہ کمرے کے فرش کی صفائی میں لگ گئی۔

"جس کا کام اسی کو ساجھے۔" فاروق مسکرایا۔

"تو تم کوئی اپنا کام کر لو۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"ابا جان! کیا آج ہم بھوکے ہی رہیں گے۔" محمود نے گویا یاد دلایا۔

"اوہ! واقعات کچھ اس درجے تیزی سے پیش آئے ہیں کہ کھانے کا ہوش ہی نہیں رہا، ٹھہرو، میں ہسپتال کے ریسٹورنٹ کو فون کرتا ہوں۔"

ابھی وہ کھانا کھا رہے تھے کہ شازیہ، اس کی خادمہ اور بیگم جمشید آ گئیں، بیگم جمشید کے ہاتھ میں ایک ٹفن کیریر تھا۔ انہیں کھانا کھاتے دیکھ کر بولیں:

"لو اور سنو، میں ان کے لیے کھانا تیار کر کے لائی ہوں اور یہ بازار کا کھانا کھا رہے ہیں۔"

"اب ہمیں کیا معلوم تھا کہ ہمارے منع کرنے کے باوجود آپ کھانا لے آئیں گی۔" انسپکٹر جمشید مسکرا کر بولے۔

"خیر کوئی بات نہیں! آج بازار کے کھانوں سے گھر کے کھانے کا مقابلہ ہو جائے گا۔" انہوں نے ٹفن کھولتے ہوئے کہا۔ رابات بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گیا تھا.... اب یہ لوگ بھی شامل ہو گئے۔ بیگم جمشید کے پکائے ہوئے کھانے کو جس نے بھی ہاتھ لگایا، بازار کے کھانے میں سے لقمہ لینا بھول گیا۔

"کسی نے سچ کہا ہے، گھر کے کھانے کی بات ہی اور ہوتی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کھانے کے بعد انگلیاں چاٹتے ہوئے کہا۔

"انکل! آپ انگلیاں بھی چاٹ رہے ہیں۔" شازیہ نے حیران ہو کر کہا۔ وہ بہت غمگین تھی۔ پھر بھی بات چیت میں حصہ لے رہی تھی۔

"کیوں بیٹی.... شاید تم اس لیے کہہ رہی ہو کہ آج کے زمانے کی محفلوں کے دوران انگلیاں چاٹنے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا، لیکن میں تمہیں بتاؤں، ہمارے پیارے نبیؐ کھانے کے بعد اپنی تینوں انگلیاں چاٹ لیا کرتے تھے.... آپ ہمیشہ دائیں ہاتھ کی تین انگلیوں سے کھانا کھاتے یا چوتھی انگلی بھی شامل کر لیتے، کھانے کے بعد پہلے درمیان والی انگلی چاٹتے۔ پھر شہادت والی اور اس کے بعد انگوٹھا۔"

"یہ بات آج مجھے زندگی میں پہلی بار معلوم ہوئی، اب میں ہمیشہ انگلیاں چباتا کروں گی۔"

"اور اب تو جدید تحقیقات سے اس کا طبی فائدہ بھی ثابت ہو گیا ہے، اس سے ہاضمے میں مدد ملتی ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"ارے!" شازیہ کے منہ سے نکلا۔

عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ اکرام بیگم جمشید وغیرہ کو چھوڑ کر جا چکا تھا، لہذا اتنی جلد اس کے آنے کی تو امید نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر اس وقت کون آگیا تھا۔ انہوں نے سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"ہو نہ ہو..... یہ کالا طوفان ہے۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"وہ اتنی جلد کیوں آنے لگا..... کیا پہلی شکست کو بھول گیا۔" محمود بولا۔

"بھئی سمجھا کرو، وہ پستول میں گولیاں بھرنے گیا تھا، بھر کر واپس آگیا ہے۔" فاروق نے کہا اور سب اس کی بات پر مسکرا دیے۔ پھر محمود نے دروازے پر پہنچ کر پوچھا:

"کون ہے؟"

"پوچھو تو جانیں۔" باہر سے آواز آئی۔

"ارے! انکل خان رحمان۔" محمود چلا پڑا۔

"ارے انکل خان رحمان نہیں، صرف انکل خان رحمان۔" باہر سے آواز آئی اور محمود نے انسپکٹر جمشید کی آنکھ کا اشارہ پا کر دروازہ کھول دیا۔ خان رحمان مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

"خیر تو ہے رحمان..... تم پھر آگئے۔"

"ہاں یار! مجھے گھر جا کر نیند نہیں آئی، بار بار تمہارا خیال ستاتا رہا، لہذا بیوی بچوں کو سوتا چھوڑ کر یہاں چلا آیا۔"

"چلو اچھا کیا، اب رات خوب گزرے گی۔"

اسی وقت دستک پھر ہوئی، وہ سب چونک اٹھے۔ معلوم ہوا اس مرتبہ پروفیسر داؤد تھے.....

"پروفیسر صاحب..... آپ نے اتنی رات گئے پھر کیوں تکلیف کی۔" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"تکلیف تو مجھے گھر میں ہو رہی تھی، نیند آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔"

"اسے کہتے ہیں، دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔" خان رحمان بول پڑے۔

"ہائیں! تم بھی دوبارہ آ گئے۔" پروفیسر داؤد اس کی طرف الٹ پڑے۔

"مجھے بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔"

"دھت تیرے کی۔" پروفیسر داؤد نے بالکل محمود کے انداز میں کہا اور سب ہنسنے لگے۔ اسی وقت فون کی گھنٹی گنگنا اٹھی۔

اس باب کا عنوان آپ تجویز کریں گے۔

؟

انسپکٹر جمشید نے فون کا ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے اکرام کی آواز سنائی دی:

"سر! جودی رضا صاحب اس بات پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں کہ میں آپ کی طرف سے انہیں لینے آیا ہوں.... دوسرے اس وقت یہاں مسٹر شاردا بھی موجود ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اگر جودی رضا صاحب کو خطرہ ہے تو پھر انہیں بھی ہے۔"

"ٹھیک ہے، تم دونوں کو لے آؤ، ریسیور انہیں دو، میں ان سے بات کرتا ہوں۔"

انسپکٹر جمشید سے بات کر کے وہ مطمئن ہو گئے اور اکرام کے ساتھ آنے پر تیار ہو گئے۔ تقریباً بیس منٹ بعد وہ تینوں بھی وہاں موجود تھے۔ شاردا کو باقی لوگ اس وقت پہلی بار دیکھ رہے تھے۔ جب کہ خان رحمان اور انسپکٹر جمشید اسے

پہلے بھی کئی بار دیکھ چکے تھے۔ کمرے کا دروازہ ایک بار پھر اندر سے بند کیا جا چکا تھا۔

"اس ملک میں اب شاید مسٹر رابات احسن کے سوا کوئی ایسا شخص نہیں رہا جس سے کالا طوفان انتقام لینا چاہتا ہو، رہے مسٹر جودی رضا اور مسٹر شاردا .... تو یہ بے چارے تو میری وجہ سے اس معاملے میں الجھ گئے، وہ بھی اس لیے کہ کالا طوفان کے سلسلے میں کیران کا نام سننے میں آیا تھا۔ اور مجھے یہ بات یاد تھی کہ مسٹر شاردا کیران سے آئے ہیں ....."

"کوئی بات نہیں انسپکٹر صاحب ؛ ہم نے قانون کی مدد کی ہے، اس سلسلے میں اگر ہمیں ذرا پریشانی اٹھانا پڑ گئی ہے تو کیا ہوا" مسٹر شاردا نے کہا۔

"شکریہ !" انہوں نے کہا اور اکرام کی طرف مڑے :

"بھئی وہ جیری کوپر کا کیا رہا، شانکا اور منگو خان کا اس سے کوئی تعلق ثابت ہوا یا نہیں ..."

"میں نے چھان بین کی ہے، لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا، لہذا یہی کہا جا سکتا ہے کہ دونوں نے اس کی کار چرائی ہی تھی"

"کمال ہے .... اس قسم کے کام کرنے کے لیے کار چرانے کی بھلا کیا ضرورت تھی" شاردا نے کہا۔

"الجھن یہ ہے کہ شانکا اور منگو خان دونوں زندہ نہیں رہے" انسپکٹر جمشید بولے " یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ کالا طوفان نے ان دونوں کو یہیں سے اپنے ساتھ شامل کیا تھا، اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ انہیں کیران سے ساتھ لے کر آیا تھا اور وہ اس کے گروہ کے ہی آدمی تھے .... کیونکہ ان کے کندھوں پر گودے ہوئے نام موجود ہیں"

"ویسے ابا جان ! میری سمجھ میں ایک بات آتی ہے" فرزانہ بول پڑی۔

"وہ تو ہر کیس میں تمہاری سمجھ میں آتی ہے، کونسی نئی بات ہے" فاروق نے منہ بنایا۔ خان رحمان اور پروفیسر داؤد مسکرانے لگے۔

"چلو بتاؤ، کیا بات سمجھ میں آتی ہے"

"یہ کہ اس کیس سے متعلق ہر آدمی کا کندھا ننگا کر کے دیکھا جائے اور جس کے کندھے پر بھی کالا طوفان لکھا مل جائے، اُسے گرفتار کر لیا جائے"

"ترکیب تو اچھی ہے، لیکن اس کیس سے متعلق چند آدمی تو پہلے ہی ہلاک ہو چکے ہیں، اب رہ کون گیا ہے، مسٹر رابات احسن، جودی رضا اور مسٹر شاردا" محمود نے کہا۔

"تم ایک نام چھوڑ گئے محمود" فرزانہ نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"کونسا نام ....؟" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جیری کوپر کا .... یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہی کالا طوفان ہو اور اس نے خود ہی اپنی کار انہیں دی ہو، لیکن ساتھ ہی پولیس میں رپورٹ درج کرا دی ہو تاکہ شانکا اور منگو خان کو اس کا ساتھی خیال نہ کیا جائے۔"

"ویری گڈ آئیڈیا" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے پھر اکرام کی طرف مڑے:

"اکرام .... میرے خیال میں جیری کوپر کو بھی یہیں بلانا مناسب رہے گا، اگر وہی کالا طوفان ہوا تو فون سننے کے بعد ادھر کا رخ نہیں کرے گا، لہذا تم خود جا کر اسے لے آؤ...... کہہ دینا کار کے سلسلے میں چونکہ دو آدمی ہلاک کیے جا چکے ہیں، اس لیے آپ سے کچھ پوچھ گچھ کرنا ہے۔"

"بہت بہتر! میں ابھی جا کر اسے لے آتا ہوں۔" اکرام نے کہا اور ایک بار پھر چلا گیا۔

"آج تو بیچارے انکل اکرام کو بھی بہت کام کرنا پڑ رہا ہے۔" فاروق بولا۔

"اس زندگی میں کام کے سوا رکھا ہی کیا ہے، کام چوروں کو کام کے علاوہ اور بھی بہت کچھ نظر آتا ہے۔" فرزانہ نے شریر انداز میں کہا۔

"مجھے کام چور کہہ رہی ہو.... خیر کہہ لو.... لیکن وقت اور حالات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ دراصل میں کام چور نہیں، البتہ کبھی کبھی میں باتیں بناتا رہ جاتا ہوں اور تم کام دکھا جاتے ہو۔" فاروق نے جواب میں کہا۔

"یہ بھی غلط ہے کہ تم کام نہیں دکھاتے، وقت آ پڑے تو تم کام دکھانے میں بھی پیچھے نہیں رہتے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں۔" محمود نے کہا۔

"اور میں بھی، کیونکہ میں ناانصاف ہرگز نہیں ہوں، اور نہ ناانصافی کو پسند کرتی ہوں۔" فرزانہ نے کہا۔

"ارے ارے.... یہ میرے بارے میں آپ لوگوں کی رائے کو کیا ہوا؟"

"شاید رائے بیمار ہو گئی ہے۔" محمود بولا۔

"میری نقل اڑانے کی کوشش نہ کرو، اب تم کہو گے کہ مذاق اڑانا ہوتا ہے نہ کہ نقل اڑانا، لیکن میں بھی یہی کہوں گا کہ اگر مذاق اڑایا جا سکتا ہے تو نقل کیوں نہیں اڑائی جا سکتی؟ ....." فاروق شوخ لہجے میں بولا۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

تھوڑی دیر بعد ہی دستک ہوئی اور اکرام کی آواز سنائی دی۔

"مسٹر جیری کوپر آگئے ہیں۔" اس کی آواز سن کر محمود نے دروازہ کھول دیا، گہری نیلی آنکھوں والا ایک انگریز اکرام کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر حیرت اور جھلاہٹ کے آثار تھے۔ اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے کہا۔

"مجھے حیرت ہے، کار کا معاملہ تو صاف ہو گیا تھا، پھر مجھے اس وقت کیوں بے آرام کیا گیا ہے؟"

"ہم سب معافی چاہتے ہیں جناب.... میں ابھی آپ کو ساری بات بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے کالا طوفان کے بارے میں تفصیل سے سنا دیا اور آخر میں اپنا پروگرام بتاتے ہوئے بولے:

"چونکہ کسی نہ کسی طرح آپ بھی اس معاملے سے متعلق ہو چکے ہیں، اس لیے آپ کو بھی یہاں لانا پڑا، بس ہم صرف آپ کا دایاں کندھا دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں قانون کی مدد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" یہ کہہ کر جیری کوپر نے قمیض اتار دی اور دایاں کندھا ان سب کے سامنے کر دیا۔ انہوں نے دیکھا، وہاں کوئی نام گودا ہوا نہیں تھا۔

"بہت بہت شکریہ مسٹر جیری کوپر، آپ تشریف رکھیں، میرے اسسٹنٹ ابھی آپ کو واپس چھوڑ آتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ رابات احسن کی طرف مڑے:

"مسٹر رابات.... اب آپ اپنا کندھا دکھا دیں۔"

"م..... میں.... لیکن بھلا میں کیوں کندھا دکھاؤں۔ مجھے تو وہ اپنے انتقام کا نشانہ بنانا چاہتا ہے۔" رابات احسن نے حیران ہو کر کہا۔

"کالا طوفان کا فون آپ نے سنا تھا، ہمیں کیا معلوم کہ آپ کو کوئی ایسا فون ملا بھی تھا یا نہیں، مہربانی فرما کر کندھا دکھا دیں۔" ان کا لہجہ سرد ہو گیا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے اپنے جسموں میں سنسنی کی لہریں دوڑتی محسوس کیں۔

"اچھا! لیکن میں اس کی شکایت ڈی آئی جی صاحب سے کروں گا۔"

"میرا خیال ہے، اس میں شکایت کرنے کا کوئی جواز نہیں، ہم دوسروں کے بھی تو کندھے دیکھ رہے ہیں، صرف آپ کا نہیں۔"

رابات احسن نے منہ سے کوئی لفظ نکالے بغیر قمیص الٹ دی۔ انہوں نے دیکھا، وہاں رابات احسن ہی لکھا تھا۔ گویا یہ شخص کالا طوفان کے گروہ کا آدمی ضرور رہا تھا اور اس نے وعدہ معاف گواہ بنتے ہوئے اس کے خلاف گواہی دی تھی۔ دوسرے لفظوں میں اس کا یہ بیان درست تھا کہ اسے کالا طوفان کی دھمکی ملی ہے۔

"بہت خوب! آپ بھی اپنی جگہ پر تشریف رکھیں.... اور اب مسٹر جودی رضا.... آپ کی باری ہے۔"

"جی بھلا وہ کیوں.... میرا اس کیس سے کیا تعلق ہے؟"

"آپ لوگ بھی تو کیران سے آئے ہیں.... کیا خبر..... آپ کا تعلق کالا طوفان سے ہو۔"

"دیکھیے.... آپ کو یاد ہو گا، میں آپ کی درخواست پر مسٹر شاردا کی طرف سے بھیجا گیا تھا اور میں وہ شخص ہوں جس نے آپ کو کالا طوفان کے متعلق ساری تفصیل سنائی تھی، ورنہ اس سے پہلے آپ کو کالا طوفان کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا....." جودی کہتا چلا گیا۔

"یہ ٹھیک ہے.... لیکن اس کے باوجود آپ کو کندھا دکھانا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"بہت بہتر!" یہ کہہ کر اس نے بھی قمیص اتار دی۔ اس کے کندھے پر انہیں کوئی نام لکھا ہوا نظر نہیں آیا۔ گویا یہ شخص نہ خود کالا طوفان تھا اور نہ اس کا ساتھی تھا۔

"اب رہ گئے ہیں مسٹر شاردا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو آپ میرا کندھا بھی دیکھنا چاہتے ہیں، خیر دکھائے دیتا ہوں۔" یہ کہہ اس نے بھی قمیص اتار دی۔ اس کے کندھے پر بھی کوئی نام نہیں تھا۔

اب تو محمود، فاروق اور فرزانہ حیران رہ گئے۔ انھوں نے کھوئے کھوئے انداز میں انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا، وہ بھی سنجیدہ سنجیدہ نظر آئے جب کہ ناکامیوں کے اوقات میں بھی وہ مسکراتے رہتے تھے۔

"یہ کیا ہوا ابا جان!" محمود کے منہ سے نکلا۔

"ہوتا کیا، سکیم فیل ہو گئی۔" وہ بولے۔

"چھوڑیے انسپکٹر صاحب، میرے خیال میں تو کسی شخص نے کالا طوفان کے نام کی آڑ میں یہ وارداتیں کی ہیں۔" شاردا نے کہا۔

"ہوں آپ کا خیال بھی ٹھیک نظر آتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو پھر آخر کالا طوفان کون ہے؟"

"کوئی بھی نہیں، وہ نہ جانے کب کا مر کھپ گیا ہو گا۔" شاردا نے کہا۔

"لیکن تھوڑی دیر پہلے وہ یہاں موجود تھا اور میرا اور اس کا پستول کی گولیوں کا تبادلہ ہوا تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہو.... کیا واقعی۔" ان میں سے کئی ایک کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! اور میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ کالا طوفان یہیں کہیں آس پاس موجود ہے..... ویسے مسٹر جودی آپ سے ایک غلطی

بہت بھاری ہوئی۔" اچانک انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی کیا مطلب؟" جودی رضا زور سے چونکا۔

"آپ کو مجھے یہ نہیں بتانا چاہیے تھا کہ کالا طوفان کے گروہ کے ہر آدمی کے کندھے پر اس کا نام گودا جاتا تھا اور وہ بھی ان مٹ سیاہی سے....." انہوں نے کہا محمود، فاروق اور فرزانہ کے دل دھک دھک کرنے لگے۔

"لیکن میں یہ کیوں نہ بتاتا..... یہ حقیقت ہے۔"

"ہاں! میں جانتا ہوں، یہ حقیقت ہے، لیکن تمہارا یہ بیان تمہارے لیے ہی نقصان دہ ثابت ہو رہا ہے..... اس کے ساتھ ہی تم نے مجھے ایک اور بات بھی بتائی تھی..... یہ کہ کالا طوفان میک اپ کا بہت ماہر تھا۔"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے، لیکن یہ دونوں باتیں آخر میرے لیے نقصان دہ کس طرح ہیں۔"

"اس طرح کہ جو شخص چہرے پر میک اپ کر سکتا ہے، وہ کندھے پر میک اپ کیوں نہیں کر سکتا..... کیا تمہارے کندھے پر کوئی ایسی پٹی نہیں چپکائی جا سکتی جو گودے ہوئے نام کو چھپا لے۔"

"کیا!!!" وہ سب چلا اٹھے۔

"ہاں!" یہ کہتے ہوئے انہوں نے پستول جیب سے نکال لیا

اور اس کی نالی کا رخ جودی رضا کی آنکھوں کی طرف کر دیا:

"سنو مسٹر کالا طوفان! اس وقت میرے پستول کی زد میں عین تمہاری دائیں آنکھ ہے..... کیونکہ اب تم نے آنکھوں پر گور نہیں چڑھا رکھے..... اپنے ہاتھ کمر کے پیچھے لے جاؤ، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گولی تمہاری آنکھ کے راستے دماغ میں جا گھونسلا بنائے گی۔"

جودی رضا نے پلک جھپکے بغیر اپنے ہاتھ کمر کے پیچھے کر لیے، انسپکٹر جمشید نے اکرام کو اشارہ کیا اور اس نے اٹھ کر اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا دیں۔

"محمود، فاروق اور فرزانہ تم دروازے پر کھڑے ہو جاؤ، کیونکہ یہ اس عالم میں بھی بھاگنے کی کوشش کر سکتا ہے، خبردار یہ فرار نہ ہونے پائے۔"

"بہت بہتر ابا جان۔" محمود نے کہا۔

"لیکن ابا جان! یہ کس طرح ہو سکتا ہے..... یہ شخص تنہا اتنی لمبی چوڑی بھاگ دوڑ کس طرح کر سکتا تھا، رؤف کیرانی کے گھر پر بھی حملہ آور ہو، یہاں بھی موجود ہو اور پھر واپس جا کر دوبارہ نقاب اوڑھ کر یہاں آ جائے پھر آپ سے مقابلہ کرے..... اور فرار ہو جائے۔"

یہی تو تم سمجھے نہیں، جودی رضا اپنے ساتھ تین آدمیوں

کو کیران سے لے کر آیا تھا، شانکا، منگو خاں اور مسٹر شاردا کو
.....“ انسپکٹر جمشید بولے۔
”کیا!!!“ وہ چلا اُٹھے۔
”ہاں! دراصل شاردا بھی کالا طوفان کا ساتھی ہے، یہ سوداگر
کے بھیس میں یہاں آئے تھے..... جودی خود کو شاردا کے ملازم
کے روپ میں یہاں لایا، تاکہ کوئی اسے خاص توجہ سے نہ دیکھے۔
اس دوران یہ شاردا سے کام لیتا رہا ہے..... شانکا اور منگو خان
بھی اس کے حکم کی تعمیل کرتے رہے ہیں، خود اس نے تو بہت
کم ہاتھ پیر ہلائے ہیں، ہاں یہ مجھ سے مقابلہ کرنے خود ضرور
آیا تھا اور یہاں سے اسے بھاگنا پڑا۔“
”کمال ہے، کم از کم مجھے تو یقین نہیں آ رہا۔“ اکرام حیرت زدہ
سا بولا۔
”شاردا کے ہاتھوں میں بھی ہتھکڑیاں ڈال دو، خان رحمان
تم پولیس کو فون کرو۔“ انسپکٹر جمشید بولے۔
اکرام نے آگے بڑھ کر شاردا کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں
ڈال دیں۔ پولیس کے آنے کے بعد ان کے کندھوں پر چپکی ہوئی
جھلیاں اتاری گئیں تو جودی رضا کے کندھے پر کالا طوفان اور
شاردا کے کندھے پر شاردا لکھا نظر آیا۔ اب اس میں کوئی شک
نہیں رہا تھا کہ کالا طوفان وہی تھا۔

”تو یہ تھا وہ کالا طوفان..... جس نے آج سے پچیس سال پہلے
کیران میں تہلکہ مچا دیا تھا... لیکن افسوس اس کا تہلکہ یہاں نہیں
مچ سکا، شاید اس لیے کہ یہ بہت کمزور تہلکہ اپنے ساتھ لے
کر آیا تھا، بھلا وہ ہمارے ملک میں کس طرح مچ جاتا.... یہاں
تو طاقت ور سے طاقت ور تہلکہ بھی نہیں مچ پایا اور.....“
”کیا اوٹ پٹانگ جملے بول رہے ہو۔“ انسپکٹر جمشید نے اسے
ٹوکا۔
”ارے اوہ..... واقعی..... یہ موقع اوٹ پٹانگ جملوں کا
کہاں ہے.... بلکہ یہ تو سرے سے کسی بھی قسم کے جملے بولنے کا
موقع نہیں ہے..... موقع ہے تو صرف سونے کا اور وہ بھی
ہسپتال کے کمرے کے فرش پر۔“
یہ کہتے ہوئے وہ فرش پر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر
لیں جیسے گہری نیند سو گیا ہو، دوسرے مسکراتے ہی رہ گئے۔

آئندہ ناول کی ایک جھلک :

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۴۱

مشینی مخلوق

مصنف : اشتیاق احمد

- ایک بہت بڑا سرکاری افسر اپنے کمرے میں عجیب حالت میں مردہ پایا گیا —
- پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ایک عجیب کہانی سناتی ہے ۔
- مشینی مخلوق سے ملیے، آپ حیران رہ جائیں گے ۔
- ان جرائم کے پیچھے کس کا دماغ کام کر رہا تھا ۔ وہ کیا چاہتا تھا ۔ ایک خوف ناک راز —
- محمود، فاروق اور فرزانہ کی شوخیاں عروج پر —

اشتیاق احمد کے ناولوں میں ایک حیرت انگیز اضافہ —

قیمت پانچ روپے پچاس پیسے

کالا طوفان کا انعامی سوال

س : آخری باب کا عنوان تجویز کیجیے ۔

تین بہترین عنوانات پر انعامات دیے جائیں گے ، نام اور پتے بھی شائع کرائیں ۔ عنوانات کتابیں پریس میں جانے تک وصول کیے جاتے ہیں ۔ ہر کاغذ پر صرف ایک ہی سوال کا جواب تحریر کریں ، ہر کاغذ پر اپنا نام اور پتہ ضرور لکھیں ۔ تمام جوابات ایک لفافے میں ہی بھیج سکتے ہیں ۔

(ادارہ)

ایک کنول جھیل کنارے کے بعد

شائع ہو چکا ہے

وہی کارواں وہی راستے

مصنف: اشتیاق احمد

* ایک اور حسین ناول
* ایک ایسے شخص کی انوکھی داستان جو صحرا کا پیاسا تھا۔
* منزل تمام عمر اس کے سامنے رہی اور وہ بھٹکتا رہا۔
* خوب صورت کتاب خوب تر تحفہ
* جذبات کا طوفان لیے ایک ایسی کہانی جسے آپ مدتوں فراموش نہیں کر سکیں گے۔

مکتبہ اشتیاق راجپوت مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

خوفناک مکان کا انعامی سوال

جواب یہ تھا:

آخری کوشش

صرف ایک بالکل درست عنوان موصول ہوا، نام پتا درج ذیل ہے۔ انہیں انعامی پیکٹ روانہ کیا جا رہا ہے

نفیس سلیم صاحب
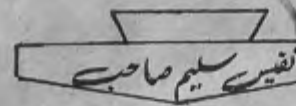
مکان نمبر ۵۳۲، ایم گلی نمبر ۲۱

امرپورہ۔ راولپنڈی

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا

مشترکہ
ناول ۳۴

تیسرا تہلکہ آمیز
خاص نمبر

وادیٔ دہشت

مصنف: اشتیاق احمد

- ضخامت تقریباً ۵۵۰ صفحات۔
- ایک ہزار روپے کا نقد انعام، اشتیاق احمد کے منتخب کردہ جملہ سب سے پہلے بھیجنے والے کو دیا جائے گا۔
- ماہ اکتوبر میں خاص نمبر کے ساتھ کوئی اور ناول شائع نہیں ہو گا۔ آپ صرف یہ خاص نمبر ہی پڑھ سکیں گے۔ کیونکہ اس کی ضخامت کے پیش نظر قیمت -/۱۵ روپے رکھی گئی ہے۔
- اپنی کاپی کی ایڈوانس بکنگ پہلے ہی کرا لیں، کہیں ایسا نہ ہو، آپ